U5394. 8-12-9.

Title - HINDUSTAN MEIN ISLAMI TEHZEEB; EK ILMI MAQAALA.

Creator - Sayyed Abdul Lateef

Publisher - Majlis Tehzeeb Islami (Hyderabad).

Date - 1937.

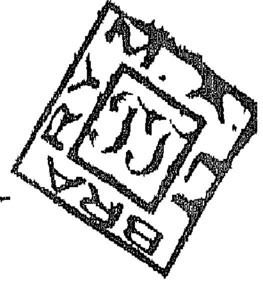
Pages - 44

Subjects - ~~Hind~~ Hindustan - Islami Tehzeeb; Tehzeeb Islami - Hindustan

سلسلہ مطبوعات تہذیب اسلامی

ہندوستان میں اسلامی تہذیب

ایک علمی مقالہ



از

ڈاکٹر سیّد عبد اللّطیف

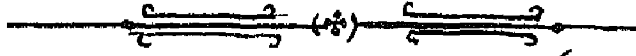
شائع کردہ مجلس تہذیب اسلامی

حیدر آباد دکن

۱۳۵۶ھ

۱۹۳۷ء

مجلس تہذیب اسلامی حیدرآباد دکن



اس مجلس کے مقاصد حسب ذیل ہیں :۔

(۱) ملت اسلامی نے فکر و عمل اور ایجاد و تخلیق کے میدان میں جو کام انجام دئے ہیں ان کے متعلق صحیح معلومات کی اشاعت کرنا۔

(۲) ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیب اور اس کے لوازم کے تحفظ و ترقی کے وسائل و ذرایع تجویز کرنا۔

(۳) دیگر اقوام کے ساتھ تہذیبی موالات کو تقویت پہنچانا

اسمائے ارکان مجلس عاملہ

(۱) آنریبل نواب فخر یار جنگ بہادر

(۲) نواب جسٹس اصغر یار جنگ بہادر بی۔اے (آکسن) بار اٹ لا

(۳) خان فضل محمد خاں صاحب ایم۔اے (کنٹب)

(۴) مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی۔

(۵) پروفیسر مولوی عبدالحق صاحب

(۶) ڈاکٹر مظفرالدین قریشی پی ایچ۔ڈی (برلن)

(۷) ڈاکٹر محمد نظام الدین پی ایچ۔ڈی (کنٹب)

(۸) ڈاکٹر عبدالحق۔ڈی فل (آکسن)

(۹) مولوی سید ہاشمی صاحب۔

(۱۰) ڈاکٹر حمید اللہ ڈی۔لٹ (پیرس)

(۱۱) ڈاکٹر سید عبداللطیف پی۔ایچ۔ڈی (لنڈن)

Islamic Culture in India

یادداشت

یہ مقالہ بزبان انگریزی پہلی مرتبہ ایک عام جلسے میں بصدارت نواب سر نظامت جنگ بہادر بتاریخ ۹ راگست ۱۹۳۷ء پڑھا گیا۔

مقالہ کا اردو ترجمہ ایک جلسہ علماء میں بمقام مدرسۂ نظامیہ حیدرآباد زیر صدارت جناب مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی، سنایا گیا۔ رسالے میں دونوں حضرات صدر کی تقریریں شامل ہیں۔

—(٭)—

اسلامی تہذیب

سوال کیا گیا ہے اور بار بار دہرایا گیا ہے کہ اسلامی تہذیب کیا چیز ہے اور ہندوستان میں کہاں پائی جاتی ہے؟ ایک زمانہ تھا جب کہ مشکل ہی سے کسی کے ذہن میں یہ سوال کرنے کا خیال آسکتا تھا۔ علمی صحبتوں میں ہم ہندو مسلم انگریز وغیرہ مخصوص جماعتی تہذیبوں کے متعلق دل کھول کر گفتگو کیا کرتے تھے۔ اور اپنے گذشتہ کارناموں کو جو علوم و فنون فلسفہ اور زندگی کے دیگر مظاہر میں رونما ہوئے یاد کرکے لطف اندوز ہوتے تھے۔ کسی جماعت کو یہ خیال نہ تھا کہ دوسری جماعت کے اس تہذیبی ورثہ سے انکار کرے، اگرچہ ہر جماعت اپنے من سمجھوتے کے لئے ہر چیز کی قدر و قیمت متعین کرنے کا ایک خاص معیار قرار دے لیا کرتی تھی۔ یہ ایک فطری طریق کار تھا جس میں اب انتشار پیدا کیا جارہا ہے اور ہم سے قومیت کے نام پر یہ کہا جارہا ہے کہ ہم اپنی انفرادی تہذیب کو نظر انداز کردیں۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ جدید تمدن کی روشنی میں بالخصوص مسلمانوں کی تہذیب کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ صرف شبہ ہی نہیں کیا جاتا بلکہ تحدی کی جاتی ہے کہ آیا موجودہ زمانہ میں یہ تہذیب کسی زندہ متحرک صورت میں موجود بھی ہے یا نہیں۔ اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک کے ہر گوشہ میں تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ایک بے چینی سی پیدا ہوگئی ہے۔

مسلم تہذیب کا مسئلہ فرقہ بندی نہیں

بادی النظر میں یہ ایک سادہ سا سوال ہے اور علمی بنیاد پر اس کا جواب بہت سیدھے سادے طریقہ سے دیا جاسکتا ہے لیکن ہر شخص جانتا ہے اور یہ ایک بدنصیبی ہے کہ یہ سوال خالص علمی وجوہ سے پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس کا اصل منشاء ایسی معلومات حاصل کرنا نہیں ہے جن سے انسانی زندگی کے لئے اسلامی

تہذیب کی قدر و قیمت سمجھنے اور اس کا اندازہ کرنے میں آسانی ہو۔ بلکہ اصل منشا دیہ ہے کہ مسلمان جو اپنی تہذیب کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں ان کی راہ میں اس سوال سے ایک اچھی رکاوٹ کا کام لیا جا سکے۔ یہ معاملہ صرف یہیں ختم نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ ایک اور مصیبت بھی ہے جن لوگوں نے یہ سوال پیدا کیا ہے ان کے لائحہ عمل کا ایک جز یہ بھی ہے کہ جب کوئی ان کے سوال کا جواب دے تو "فرقہ پرستی" کا آوازہ کس کر اس کا منھ بند کر دیں۔

یہ ہے اس وقت کی صورتِ حال اور یہ عجیب صورتِ حال ہے۔ آپ ایک سوال کرتے ہیں مگر اس کا جواب سننا نہیں چاہتے۔ یا سن بھی لیتے ہیں تو ایک سبق جو آپ نے پہلے سے یاد کر رکھا ہے اسی کو رٹے چلے جاتے ہیں کہ "ہم نہیں مانتے۔ یہ سب فرقہ پرستی ہے" اسی لئے آج اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے مجھے آپ ہی آپ کچھ جھجک سی محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے خیالات کا غلط مفہوم لیا جائے اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ اتنی دردسری کے بعد اسی الزام (فرقہ پرستی) سے میری بھی تواضع کی جائے

واضح رہے کہ میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں اور سیاسی بولی کو آسانی سے نہیں سمجھ سکتا لیکن میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ کسی نقطۂ نظر یا کسی خاص فلسفۂ زندگی کی توضیح کرنا یا لوگوں کی بے خبری دور کرنے کے لئے کسی ایسی حقیقت کا اظہار کرنا جو ہمارے علم میں ہو فرقہ پرستی نہیں ہے۔ علیٰ ہٰذا کسی قوم کی تہذیب پر بحث کرنا اور یہ بتلانا کہ اس کا ذہن کس طرح اس کی زبان و ادب میں، اس کے علوم و فنون اور فنِ تعمیر میں، اس کے افکار و اعمال میں، اس کے شخصی قوانین اور معاشرتی و معاشی نظام میں اور اس کے تصورِ حیات میں صورت پذیر ہوا ہے یا اس امر کی صراحت کرنا کہ یہ سب چیزیں مل جل کر کس طرح اس کی جداگانہ سیرت کی تشکیل کرتی ہیں، بالیقین فرقہ پرستی نہیں ہے۔

ہر تہذیب ایک زندہ نظام ہوتی ہے عموماً وہ کسی خاص قوم کی معاشرت سے ظہور پذیر ہوتی ہے اور پھر اسی پر اثر ڈال کر تازہ قوت حاصل کرتی ہے۔ اس کی ترقی اور اس کا تنزل دونوں اسی قوم کی زندگی کے ساتھ ہوتے ہیں جو اس کی حامل ہو۔ اور بعض تہذیبیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک زندہ تخیل کی

حیثیت سے کام کرتی ہیں اور زندگی کے کسی روحانی قانون کا منشا پورا کرتی ہیں۔ اس قسم کی تہذیب پھیل کر عمومیت کے ساتھ نوع انسانی پر اثر ڈالتی ہے اور اختلاف رنگ و نسل کے متصادم اغراض میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ اس کا اپنا کوئی خاص مسکن نہیں ہوتا۔ وہ جہاں جاتی ہے اور جو لوگ اس کا اثر قبول کرتے ہیں ان کو وہ اپنا نام دے دیتی ہے۔ اگر وہ ہاتھ کمزور ہو جائیں جو اس کو تھامے ہوئے ہوں تو ان سے چھوٹ کر وہ ناپید نہیں ہو جاتی بلکہ دوسرے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے اور اپنا نام ان کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔ اس طرح وہ زندہ رہتی ہے اور آگے بڑھتی ہے۔ ہم اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ان لوگوں سے نہیں کرتے جن کے ہاتھوں میں اس کے سنبھالے لینے کا سکت نہیں رہا۔ بلکہ ان لوگوں کے لحاظ سے اسے جانچتے ہیں جن کے ہاتھوں نے اسے مضبوطی کے ساتھ تھاما ہو یا جنھوں نے اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم خود اس کی ذاتی قوت سے اس کی نسبت رائے قایم کرتے ہیں۔ یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے کہ کسی ہنگامی سیاسی غرض کے لئے ایسی تہذیب سے جھگڑا کیا جائے بلکہ دانشمندی کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے نوع انسانی کی ترقی کے لئے ایک مددگار قوت کی حیثیت سے استفادہ کیا جائے۔ ایسی ہی ایک تہذیب ہے جس کے متعلق آج کی شام میں آپ کے سامنے کچھ کہنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ایسا کرنا فرقہ پرستی نہیں ہے۔ اس حد تک اگر آپ مجھ سے متفق ہو جائیں تو میرا کام بہت کچھ ہلکا ہو جائے گا۔ کیونکہ پھر مجھے اس سوال کے سیاسی پس منظر کا تجزیہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ تاہم دو ایک باتیں اور ہیں جن کو میں آگے بڑھنے سے پہلے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

اسلامی تہذیب کا موضوع اس قدر وسیع ہے کہ اس پر ایک لکچر میں بحث کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میں اسے پیش کرنے کے لئے کونسا نہج اختیار کروں گا جس سے بآسانی یہ سمجھا جا سکے کہ یہ تہذیب کیا ہے۔ اور ہندوستان میں کہاں پائی جاتی ہے۔

مسلمان کے ذہن نے تاریخ کے دوران میں اپنی خصوصیات کو تہذیب کے ہر میدان میں نمایاں کیا ہے ——— میدان عمل، میدان فکر، میدان تخلیق ———

یہی تین بڑے میدان ہیں جن میں انسان کی پوری کارگزاری منقسم ہوتی ہے اور ان میں سے ہر میدان میں مسلمان نے اپنا ایک نقش قایم کیا ہے۔ عمل کے میدان میں اس نے ایک خاص قسم کا نظام معیشت و معاشرت اور ایک خاص قسم کا نظام سیاست و عمران پیدا کیا جو خود اس کے اپنے اصول قانون کا پروردہ ہے اور ایک ہمہ گیر ضابطہ کی شکل اختیار کر گیا ہے جس کا نام شریعت ہے۔ میدان فکر میں اس کی فطانت نے جدید سائنس کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کے آئندہ ارتقا کی راہ متعین کر دی۔ میدان تخلیق میں اس نے اپنی روح کی حرکت سے زندگی کے جمال کو نکھارنے اور مالا مال کر دینے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ اسی طاقت ہی کا ظہور تو ہے جو اس کے ادب میں، اس کے فنون لطیفہ میں، اس کے فلسفہ اور مذہب میں ہوا ہے۔ غرض یہ ایک جامع تہذیب ہے جس کا ہر پہلو بذات خود ایک بڑا موضوع ہے۔ ہر تہذیب کی طرح خصوصیت کے ساتھ اس کا معاشری پہلو وقتاً فوقتاً دوسری تہذیبوں سے متاثر ہوتا رہا ہے اور یہ اثر زیادہ تر ادنیٰ درجے کے جزئیات میں نمایاں نظر آتا ہے جس کی وجہ کچھ تو موسمی حالات ہیں، کچھ وہ ضروریات ہیں جو مختلف ملکوں میں پھیلنے اور مختلف قوموں کے ساتھ رہنے سہنے سے پیدا ہوئیں اور کچھ انفرادی مذاق اور شخصی بے راہ رویوں کے نتائج ہیں۔ مگر ان سب کے باوجود اس کا ڈھانچہ اپنی پوری ہیئت ترکیبی کے ساتھ مسلمانوں کی زندگی پر مضبوط جما ہوا ہے۔ اس کے وجود کو معرض سوال میں لانا اور یہ پوچھنا کہ اسلامی تہذیب کیا ہے؟ اور کہاں پائی جاتی ہے؟ ایک ایسا فعل ہے جس کو میں بہت نرم الفاظ میں عقلی خود فریبی سے تعبیر کروں گا۔ میں آپ کو اس سے خبردار کر دینا چاہتا ہوں۔ اسلامی تہذیب یہاں ہندوستان میں اسی طرح موجود ہے جس طرح وہ ان ممالک میں موجود ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور اس سے آنکھیں بند کر لینے کی بہ نسبت زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے وجود کو کھلے دل سے تسلیم کر لیا جائے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے کہ اس ملک کو بلند ترین سیاسی ارتقاء کے مرتبہ تک پہونچانے میں اس سے کس طرح مدد لی جا سکتی ہے۔ آج کی تقریر میں میرا مدعا اس امر پر زور دینا ہے کہ مسلمانوں کی یہ

تہذیب اب بھی زندہ ہے اور اس مقصد کے حصول میں مدد دینے کی طاقت رکھتی ہے۔

میں ان مختلف شعبوں پر تبصرہ کرنا نہیں چاہتا جن میں اس تہذیب نے تاریخ کے دوران میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک قسم کی علمی نمائش ہوگی اور آپ کے لیے بھی بارِ خاطر ہو جائے گی۔ بخلاف اس کے میں آپ سے خواہش کرونگا کہ آپ اس روح کو محسوس کریں جو مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں میں کارفرما رہی ہے اور ان کی تہذیب کی پوری عمارت کو تھامے ہوئے ہے۔ بالفاظ دیگر میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بنیاد پر توجہ کریں جس پر اسلامی تہذیب قائم ہے۔ اگر اس بنیاد کو صحیح طور پر سمجھ لیا گیا تو میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند کے تہذیبی تحفظات کو سمجھنے میں جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں بڑی حد تک دور ہو جائیں گی۔

پنڈت نہرو کے خیالات پر تبصرہ

ہندوستان کی سیاسی ترقی کے لئے ایک دوگا قوت ہونے کی حیثیت سے اسلامی تہذیب کی قدر و قیمت کو سمجھنے میں جو دشواری پیش آتی ہے اس کی وجہ جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ ہے کہ جو لوگ اس کو معرضِ سوال میں لاتے ہیں وہ غیر متعلق خیالات میں بھٹک گئے ہیں اور اس امر کا کوئی صحیح تصور ہی ان کے ذہن کی گرفت میں نہیں آسکا ہے کہ تہذیب کہتے کس چیز کو ہیں اور وہ کن عناصر ترکیبی سے وجود میں آتی ہے۔ اپنے مطلب کو ذہن نشین کرنے کی خاطر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ شروع ہی میں آپ کو ایسے خیالات سے متنبہ کر دوں۔ مثال کے طور پر میں پنڈت جواہر لال نہرو کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ان کو خاص وجہ سے منتخب کیا ہے۔ جامعہ عثمانیہ کی خاموش فضا میں رہ کر میں اپنے ملک کے قائدین کے کارناموں کا مدت سے خاموشی کے ساتھ مشاہدہ کرتا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پنڈت جی ان چند افراد میں سے ہیں جو کسی بڑے مقصد کو بنا یا بگاڑ سکتے ہیں۔ ان کے اندر خلوص کے ساتھ کام کرنے کی کافی ہمت و قوت ہے۔ اور اسی لئے یہ امر بہت زیادہ افسوس ناک ہوگا کہ ان کی ہمت و قوت خاص کر

اس زمانہ میں جب کہ وہ ایک بڑے اعتماد اور اثر کے مرتبہ پر فائز ہیں۔ ہندوستان کے اسلامی مسئلہ سے غلط یا نامناسب طریقہ پر تعرض کرنے میں ضایع ہو۔ وہ فرماتے ہیں:—

"میں نے یہ سمجھنے کی بہت کوشش کی کہ یہ "اسلامی تہذیب" کیا ہے لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس میں کامیاب نہ ہوا میں دیکھتا ہوں کہ شمالی ہند میں متوسط طبقہ کے مٹھی بھر مسلمان اور ان ہی کی طرح ہندو، فارسی زبان اور روایات سے متاثر ہوئے ہیں۔ جب عوام الناس پر نظر ڈالتا ہوں تو اسلامی تہذیب کی نمایاں ترین علامتیں یہ نظر آتی ہیں: ایک خاص قسم کا پاجامہ نہ زیادہ لمبا نہ زیادہ چھوٹا ایک خاص طریقہ سے مونچھوں کو مونڈنا یا ترشوانا مگر ڈاڑھی کو بڑھنے کے لیے چھوڑ دینا اور ایک خاص قسم کی ٹونٹی والا لوٹا۔ بالکل اسی کے جواب میں ہندوؤں کے بھی چند رسمی طریقے ہیں۔ یعنی دھوتی پہننا سر پر چوٹی رکھنا اور مسلمانوں کے لوٹے سے مختلف طرز کی لٹیا رکھنا یہ امتیازات بھی دراصل زیادہ تر شہروں میں پائے جاتے ہیں اور مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ ہندو اور مسلم کاشتکاروں اور مزدوروں میں مشکل سے فرق کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ شاذ ہی ڈاڑھی رکھتا ہے۔ اگرچہ علی گڑھ ابھی تک سرخ ترکی ٹوپی کا گرویدہ ہے (اس کا نام ترکی ہے حالانکہ خود ترکی میں اب اسے کوئی نہیں پوچھتا) مسلمان عورتیں ساڑھی پہننے لگی ہیں۔ اور آہستہ آہستہ پردہ سے باہر نکل رہی ہیں۔ خود میرا ذوق ان میں سے بعض عادتوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور میں ڈاڑھی مونچھ یا چوٹی نہیں رکھتا لیکن میں اپنے ذوق کا قانون دوسروں پر مسلط کرنے کی بھی خواہش نہیں رکھتا۔ اگرچہ ڈاڑھی کے متعلق مجھے اعتراف ہے کہ جب اس کا انتشار

نے کابل میں داڑھیوں کا صفایا شروع کر دیا تو مجھے بڑی مسرت ہوئی تھی۔"

اس عبارت میں آپ دیکھیں گے کہ پنڈت جواہر لال نہرو مسلمانوں کے ذہن اور روح کے مظہر کو جو اصل تہذیب ہے ان کے پاجامول ان کی ترکی ٹوپی اور ان کی داڑھی میں تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیا ایک سنجیدہ محقق کے لئے حقایق کی دریافت کا یہی طریقہ ہے ؟ یہ صحیح ہے کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ اپنے ذاتی تعصّبات رکھتا ہے۔ ہم سب میں یہ عیب تھوڑا بہت موجود ہے۔ یہ خلقی کمزوری بالعموم صحیح رائے قایم کرنے میں مزاحم ہو جاتی ہے۔ مگر جب یہ تعصّبات مکابرے اور تحدّی کی قسم کے ہو جاتے ہیں تو نظر کا توازن بگڑ جاتا ہے۔

اپنی خود نوشتہ سوانح حیات کے اس باب میں جس سے میں نے اقتباس بالا پیش کیا ہے، پنڈت نہرو بیان کرتے ہیں کہ ترکی نے مذہب چھوڑ دیا ہے۔ ایران اپنی تہذیب میں جان ڈالنے کے لئے اسلام سے پہلے کے دور کی طرف رجوع کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ مصر بھی اسی راستہ پر گامزن ہے اور اپنی سیاست کو مذہب سے الگ کر رہا ہے۔ آگے چل کر میں بتلاؤں گا کہ جس چیز کو وہ ان ممالک میں تغیر سمجھتے ہیں اس کی حقیقت کو سمجھنے سے وہ اسی طرح قاصر ہیں جس طرح ہندوستان کی اسلامی تہذیب ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ بہرحال انہی مفروضہ تغیرات کی بنیاد پر وہ سوال کرتے ہیں کہ :۔

"مسلم قوم اور اسلامی تہذیب کا کیا ہوگا ؟ کیا یہ دونوں آئندہ برطانیہ کی شفیق حکومت کے تحت شمالی ہند میں پھلیں پھولیں گی ؟"

اور خود اس کا جواب دیتے ہیں کہ :۔

"مسلم قوم کے وجود کا خیال چند لوگوں کی قوت واہمہ کا کرشمہ ہے۔ اگر اخبارات اس خیال کو اس قدر شہرت نہ دیتے تو یہ نام بھی بہت کم لوگوں نے سنا ہوتا۔ اور اگر بہت سے لوگ اس پر

یقین بھی رکھتے تب بھی حقیقت کی ایک جھلک اس کو کافور کر دیتی"
مجھے اندیشہ ہے کہ اس موضوع سے بحث کرنے کا یہ انداز کچھ جفا کارانہ سا ہے اور مزید برآں حسب سابق غیر علمی بھی۔ بشبہ استدلال کا ایک خطرناک آلہ ہے۔ اکثر اس سے یہ راز فاش ہو جاتا ہے کہ قائل کو حقائق پر دسترس حاصل نہیں۔ نیز اس سے غلط فہمیوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اپنے طرز فکر اور طرز زندگی کی خصوصیات کو برقرار رکھنے کی خواہش سب ہی میں ہوتی ہے۔ اور یہ ایک فطری خواہش ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی گروہ اپنی تہذیب کا احترام بھی کرے اور اس کے ساتھ ساتھ کثیر کی اس طاقت سے جو اس کی تہذیب پیدا کرتی ہے ایک مشترک نظام حکومت کی ترقی اور بہبودی میں حصہ بھی لے ؟

اسلامی تہذیب کی بنیادوں پر بحث کرنے سے پہلے میں پنڈت نہرو کا ایک اور اقتباس پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ عبارت ان کی ایک حالیہ تحریر سے ماخوذ ہے۔ اصلی حقائق کی جگہ فروعات میں الجھنے اور پورے چمن کی سیر کے بجائے جھاڑ جھنکاڑ میں دلچسپی لینے کی عادت کا ایک اچھا نمونہ آپ کو اس عبارت میں ملے گا :—

"اقوام بہت سی ان چیزوں کو جو ان کی خصوصیات میں سے ہیں جیسے زبان، عادات، طرز فکر وغیرہ ایک طویل عرصہ تک محفوظ رکھ سکتی ہیں اور رکھیں گی لیکن مشین کا عہد اور سائنس ان میں اپنی سیاحت کی تیز رفتاری اور عالمی خبروں کی مسلسل فراہمی اور ریڈیو اور سینما وغیرہ سے برابر یکسانیت پیدا کرتے رہیں گے۔ اس ناگزیر رجحان کا کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور صرف ایک عالمگیر تباہی جو موجودہ تمدن کو درہم برہم کر دے اس کو روک سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے روایتی فلسفہ حیات میں بہت سے اختلافات ہیں لیکن یہ اختلافات مشکل ہی سے قابل اعتنا رہتے ہیں جب کہ ان دونوں

کا مقابلہ زندگی کے جدید سائنٹفک اور صنعتی نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے
کیونکہ ان کے اور اول الذکر دونوں نقطہ ہائے نظر کے درمیان ایک بہت
بڑا خلا ہے۔ آج ہندوستان میں حقیقی کشمکش ہندو تہذیب و اسلامی
تہذیب کے درمیان نہیں ہے بلکہ ان دونوں میں اور جدید تمدن کی
اس سائنٹفک تہذیب میں ہے جو سب پر غلبہ پا رہی ہے۔ اسلامی تہذیب،
جو کچھ بھی ہو، بہرحال جو لوگ اس کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں انھیں
ہندو تہذیب کے مقابلہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس دیو کا
مقابلہ کرنا چاہیئے جو مغرب کی طرف سے آرہا ہے۔ ذاتی طور پر مجھے تو
اس امر میں مطلق شبہ نہیں کہ وہ تمام کوششیں ناکام ہی رہیں گی جو صنعتی
تہذیب کے خلاف کی جا رہی ہیں خواہ وہ ہندوؤں کی کوششیں ہوں، یا
مسلمانوں کی اور میں بغیر کسی ملال کے اس ناکامی کا مشاہدہ کروں گا۔"
یہاں پنڈت نہرو نے دو قسم کی اشیاء میں امتیاز کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ
ایک قسم کی اشیا تو وہ ہیں جو انفرادی طور پر ایک ایک قوم کے ساتھ مختص ہیں جیسے
زبان، عادات، افکار اور فلسفۂ حیات اور دوسری قسم کی اشیاء وہ ہیں جو عمومیت
کے ساتھ سب پر اثر انداز ہوتی ہیں؛ مثلاً وہ چیزیں جو مشین کا عہد فراہم کرتا ہے:
سیاحت کی تیز رفتاری، عالمی خبروں کی فراہمی، ریڈیو، اور سینما وغیرہ۔ پنڈت
نہرو کی رائے میں جو چیز کسی قوم کی تہذیب کو بناتی ہے وہ اشیاء کا آخرالذکر
مجموعہ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں لغزش کھا کر پنڈت جی کی قوت فیصلہ
بے راہ ہوگئی ہے۔ انھوں نے بس ایک چیز کو دوسری چیز سے خلط کر دیا ہے۔
جن چیزوں کو وہ اقوام کی انفرادی خصوصیات میں شمار کرتے ہیں۔ یعنی زبان،
عادات، طرز فکر ـــــ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں ـــــ دراصل وہی چیزیں ہیں
جو ایک قوم کی تہذیب کو ایک مخصوص تہذیب بناتی ہیں اور اسے دوسری قوم کی
تہذیب سے متمائز کرتی ہیں۔ مسلمان اپنے فرقہ کی انھی مخصوص چیزوں کو محفوظ رکھنا

چاہتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح کہ مہاتما گاندھی جیسے مشاہیر بھی اپنی ان چیزوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں جو ہندو تہذیب کے لیے مخصوص ہیں۔ رہیں وہ چیزیں جو مشین کے عہد کی پیداوار ہیں تو ہر شخص کو سنجیدگی کے ساتھ خود اپنے نفس سے سوال کرنا چاہیئے کہ آیا وہ سینما، ریڈیو اور ایسی ہی چیزوں کو اپنی زندگی میں وہی رتبہ دینے کے لئے تیار ہے جیسا مذکورۂ بالا قومی خصوصیات کو؟ ظاہر ہے کہ یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں جو قومی زندگی میں کوئی روح پیدا کرسکتی ہوں۔ جب ضرورت ہوتی ہے یہ چیزیں وجود میں آتی ہیں اور جب ان کی ضرورت نہیں رہتی دوسری آسائشیں ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ ہمارے لئے قوت برقی کی طرح یہ بھی محض غیر شخصی قوتیں ہیں۔ کوئی انسان برقی قوت کو استعمال نہیں کرسکتا تاوقتیکہ اس کو ضابطے میں لانا نہ جانتا ہو لیکن اس سے واقف ہونا بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہے۔ یہ بذاتِ خود تمدن کی کوئی علامت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ مقصد جس کے لئے اس قوت کو استعمال کیا جاتا ہے یا وہ روح جو اس کے استعمال کے پیچھے کارفرما رہتی ہے، دراصل وہی زندگی میں ایک فیصلہ کن عنصر ہے۔ آپ قوت برقی کو آرام و آسایش کے لئے بھی استعمال کرسکتے ہیں اور تباہ کن اغراض کے لئے بھی اس کو کام میں لاسکتے ہیں، جیسا کہ آج یورپ میں ہو رہا ہے۔ اصل چیز مقصد ہے اور اسی مقصد کی نوعیت یا بالفاظ دیگر زندگی کا نقطۂ نظر ہی وہ چیز ہے جو ایک قوم کی تہذیب اور دوسری قوم کی تہذیب میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔ محض سائنس کی آفریدہ چیزوں سے آپ ایک ہمرنگ عالمگیر تہذیب کو ہرگز وجود میں نہیں لاسکتے۔ مشین سے جو یکسانیت پیدا ہوسکتی ہے وہ زندگی کے محض خارجی اور سطحی پہلوؤں تک ہی محدود رہے گی مگر وہ آپ کی روح پر قابض نہیں ہوسکتی۔ اور اس کا موجود ہونا اس بات کا پتہ نہیں دیتا کہ اس کے پیچھے ایک عالمگیر نفس کام کر رہا ہے۔ حالانکہ عالمگیر تہذیب ایک عالمگیر نفس ہی سے وجود میں آسکتی ہے اور عالمگیر نفس کا وجود صرف اس وقت ممکن ہے جبکہ

انسان دل وجان سے زندگی کے ایک عالمگیر روحانی و اخلاقی قانون کے زیر اثر کام کرنا سیکھ لے۔ نارمن بنٹ وچ جو بیت المقدس کی عبرانی جامعہ میں بین الاقوامی قانون صلح کے وائزمن پروفیسر ہیں کہتے ہیں کہ :-

> "ہمارے زمانہ کے شدید ترین سیاسی مصائب میں سے ایک یہ ہے کہ جدید سائنس نے انسانی روابط میں اضافہ تو کر دیا ہے اور مختلف اقوام کے درمیان سے زمان و مکان کے فصل کو تقریباً مٹا بھی دیا ہے لیکن بین الاقوامی تعلقات کو قانون اخلاق کے تحت لانے میں بہت کم ترقی ہوئی ہے دنیا سیاسی اور معاشی حیثیت سے باہم مربوط ہے۔ آج مثلاً چین و جاپان میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ یورپ اور امریکہ کی قوموں اور ملکوں پر گہرا اثر ڈالتے ہیں مگر ملکوں کے باہمی تعلقات اخلاقی اصولوں کے تابع نہیں ہیں اور قومیں ایمانداری کے ساتھ اپنے مقدس معاہدات کی پابندی نہیں کرتیں اس لیئے روابط کی یہ کثرت و قربت امن عالم کے لیئے ایک خطرہ بن گئی ہے۔ قوموں کے مذاہب جو سب کے سب چند خاص اخلاقی اصولوں کے علمبردار ہیں۔ نیز امن و عدل کے مشترک نصب العین کے حامی ہیں ایک ایسے عالمگیر اخلاقی قانون کی بنیاد پیش کرتے ہیں جس کے نفاذ کے بغیر انسانی تمدن کا برقرار رہنا محال ہے۔"

اسلامی تہذیب کی بنیادی خصوصیت یہی وہ حقیقت ہے جس کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ آپ اس ملک میں کوئی پائیدار قومیت محض سطح کی مشترک چیزوں پر تعمیر نہیں کر سکتے۔ تہذیب کا اصلی مستقر انسان کا نفس ہے جو زندگی کے ہر میدان عمل میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ اب یہ تحقیق کرنا ہے کہ یہ نفس مختلف مظاہر تہذیب میں ایک اجتماعی نفس کی حیثیت سے کس طرح ظاہر ہوتا ہے تاکہ ہم ان کے درمیان رواداری کے عالمگیر اخلاقی قانون کی بنیاد پر باہمی موافقت کا ایک قابل عمل نقشہ بنا سکیں یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اس کو ہم پورا نہیں کر سکتے جبتک کہ ہمارے سامنے اس

تہذیب کا تصور واضح طور پر موجود نہ ہو جسے ہم اسلامی تہذیب کہتے ہیں۔

(۱) اسلامی تہذیب نہ عربی ہے نہ ایرانی جیسا کہ پنڈت جواہر لال کا گمان ہے۔ وہ نسلی ہے نہ قومی بلکہ اگر میں اسے کسی نام سے تعبیر کر سکتا ہوں تو وہ قرآنی تہذیب ہے آپ چاہیں تو اسے مذہبی تہذیب کہہ لیجئے۔ لیکن قرآنی تہذیب کی حد تک کسی شخص کو مذہب کا نام آنے سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کا مذہب ایسا مذہب نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ مذہب کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ یہ صرف مراقبوں سے پرورش نہیں پاتا یہ نہ مرتاضیت ہے نہ رہبانیت۔ اور نہ یہ ایسی مظاہر پرستانہ رسموں کا مجموعہ ہے جن کو مذہب کے موروثی پیشوا ادا کرتے ہوں۔ یہ محض اعتقاد یا اذعان نہیں ہے

اسلام ایک اجتماعی مسلک کی حیثیت سے

اس کے برعکس اسلام کے نام سے جس چیز کو موسوم کیا گیا ہے وہ زندگی کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے اور امت مسلمہ سے ایک خاص قسم کا اجتماعی نظام مراد ہے جس کو زندگی کا یہ خاص نقطۂ نظر وجود میں لاتا اور پروان چڑھاتا ہے۔ یہ تصور حیات اور یہ نظام اجتماعی فی نفسہٖ جیسا ہے اس کے متعلق آپ گفتگو کر سکتے ہیں، بغیر اس کے کہ خدا کا کوئی ذکر آئے، اگر آپ کی افتاد طبع ایسی ہی ہے کہ آپ خدا کا ذکر سننا نہیں چاہتے۔ اسلام پھر بھی ایک اجتماعی نظام کی حیثیت سے اسلام ہی رہے گا، اور آپ اس کو سلامت روی کا ایک طریقہ پائیں گے۔ وہ ایک خاص قسم کا طرز زندگی ہے اسی طرح جس طرح کمیونزم، سوشلزم، فاشزم اور نازی ازم خاص قسم کے طرز زندگی ہیں۔

ان مختلف طرزوں کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ یہ انسانی قوت عمل کو کسی خاص نصب العین یا متعین مقصد کی راہ پر لگانے کی کوششیں ہیں۔ ممکن ہے ایسے لوگ موجود ہوں جو ہر اس مذہب کو جس میں حیات بعد الموت تسلیم کی جاتی ہو فی الحقیقت ناپسند کرتے ہوں۔ ایسے افراد کے لئے کسی خاص عقیدے کا فقدان ہی ایک مذہب ہے کوئی بہتر اصطلاح نہ ملنے کی وجہ سے لوگ ان کی روش کو مادیت سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ بہر حال انہیں طریقوں میں سے کسی نہ کسی طریقہ کو ہر شخص اختیار کرتا ہے۔ کبھی محض بیدا ائشی

کی وجہ سے ایک طریقہ اس کے لئے آپ مقرر ہو جاتا ہے۔ اور کبھی انسان خود اس کا انتخاب کرتا ہے۔ زندگی کے مختلف طریقوں کا محقق ان میں موازنہ کرتا ہے اور ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتا ہے لیکن ایک مخلص پیرو کے نزدیک اس کی عملی پابندی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو پر بھی یہی بات صادق آتی ہے جب وہ کہتے ہیں کہ انہیں اشتراکیت پر اعتقاد ہے اور یہی بات مسلمان پر بھی چسپاں ہونی چاہیئے جب وہ کہتا ہے کہ اسے اسلام پر اعتقاد ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ اس خاص طرز زندگی اور اس خاص نظام اجتماعی پر اعتقاد رکھتا ہے جس کو قرآنی یا اسلامی کہا جاتا ہے۔ آپ اسے مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے آپ کو بھول جائے یا تمدنی تعلقات اور سیاسیات میں اپنے مسلک کو چھوڑ دے۔ اگر اتفاق سے فریقین کے مسلک بعض معاملات میں ایک دوسرے سے مل جاتے ہوں یا کم از کم ان کے درمیان براہ راست کوئی تصادم نہ ہوتا ہو تو ان معاملات کی حد تک دونوں ایک راستہ پر مل کر چل سکتے ہیں مگر جب بنیادی امور میں دونوں کے طریق فکر و نظر بالکل مختلف ہوں تو نظر فریب دلائل اور سفسطہ کے کسی بڑے سے بڑے طومار سے بھی کوئی کام نہیں چل سکتا۔ یہاں تک کہ حب الوطنی کے نام پر اپیل کرنا بھی بے نتیجہ رہتا ہے کیونکہ حُبّ وطن کا نام دونوں لیں گے مگر اس کی تعبیر دونوں اپنے اپنے مسلک کے مطابق کریں گے۔ یہی صورت حال ہے جو مسلمانوں اور اس ملک کی اکثریت کے مابین پیدا ہو گئی ہے اور یقیناً تدبّر کا تقاضا یہ ہے کہ ان دو بڑے فرقوں کے اختلاف نظر کا ٹھنڈے دل سے تجزیہ کر کے یہ تحقیق کیا جائے کہ کس بنیاد پر حقیقی اتحاد عمل ممکن ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اختلافات کو نیک نیتی کے ساتھ زیر بحث لانا اتحاد کا پہلا قدم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اتحاد چاہنے اور اختلاف پر گفتگو کرنے میں تضاد نظر آئے مگر اس کا تو مقابلہ کرنا ہی پڑے گا۔

حرکت اور حرارت کی تہذیب

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں اسلام ایک ایسا مسلک ہے جو ایک خاص نظام اجتماعی کو پیدا کرنا اور چلانا چاہتا ہے اور اسی لئے زندگی کی دو بنیادی حقیقتوں پر خاص طور سے زور دیتا ہے ان میں سے ایک حقیقت کو میں "حرکت فی الحیات" سے تعبیر کر سکتا ہوں اور دوسری کو

"وحدت فی الحیات" سے۔ یہ دونوں ایک ضابطۂ عمل سے مربوط ہیں جس کو شریعت کے
نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ اس شریعت کو قانون اسلام کہہ سکتے ہیں۔ اسی قانون یا
ضابطۂ عمل کے حدود کے اندر ایک مسلمان کو رہنا اور کام کرنا ہے۔ یہ حدود تنگ نہیں ہیں
جیسا کہ موجودہ لاعلمی اور اختلاط کی حالت میں نظر آتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں واقعات کی
رفتار نے ایک سے زائد مرتبہ اس امر کی شہادت پیش کی ہے کہ جس قدر زندگی کی ان دو
بنیادی حقیقتوں یعنی حرکت اور وحدت کو پیش نظر رکھا گیا اسی قدر شریعت اسلام نے
اپنا اثر دکھایا اور اپنے پیروؤں کو ضروری طاقت فراہم کر دی۔ ایک معنی میں یہ دونوں
حقیقتیں جدا جدا نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ اور زندگی کا ایک ہی اخلاقی یا اجتماعی یا روحانی
قانون پیش کرتی ہیں جس کو میں شریعت یعنی قانون اسلام کا مقدمہ کہہ سکتا ہوں۔ یہ قانون
اٹل ہے اس لئے کہ جس اخلاقی قانون پر اس کی بنیاد قائم ہے وہ زندگی کا ایک فطری
قانون ہے۔ میں اپنی ایک تازہ تصنیف میں اس پر تفصیلی بحث کر چکا ہوں جس کا نام
"اسلام میں سوسائٹی کا تصور" ہے۔ اس تقریر کے دوران میں بھی اس کی طرف اشارہ
کروں گا۔

متحرک تہذیب

یہ حرکت فی الحیات کیا چیز ہے جو اسلامی تہذیب کی بنیاد میں
موجود ہے؟ میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ آج کی تقریر میں اس
تخیل کی فلسفیانہ تشریح کرنا میرا منشا نہیں ہے اور نہ میرے فوری مقصد کے لئے
اس کی ضرورت ہے۔ آپ کو صرف یہ بتا دینا کافی ہوگا کہ قرآن کے نزدیک زندگی
ایک مسلسل حرکت ہے۔ ایک لامتناہی خط مستقیم ہے چکر نہیں ہے، وہ متحرک ہے
اور ہر آن اس کی ایک نئی شان ہے۔ مغربی سائنس اور فلسفہ میں ارتقاء کا تصور کل
کی چیز ہے لیکن مسلمانوں میں یہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ قرآن۔ مسلمانوں پر جب بازنطینی
مسیحیت کے توسط سے یونانی افکار کا نیا نیا اثر پڑا تو ان کے بعض اہل فکر اس غلط فہمی میں
پڑ گئے تھے کہ زندگی ایک جامد و ساکن چیز ہے لیکن زندگی کی قرآنی تعبیر بہت جلد سامنے
آگئی اور اس نے مسلمانوں کی عقلی زندگی میں ایسی تحریک پیدا کر دی کہ وہی حقائق علمیہ

جستجو اور روح تحقیق کے بانی مبانی بن کر رہے۔

علوم وفنون کے دائرے میں مسلمانوں نے جو کارنامے دکھائے ہیں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ میں صرف بریفالٹ کی "تشکیل انسانیت" سے ایک دو اقتباس پیش کر دوں گا جس سے آپکو مجموعی حیثیت سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ حرکت کے اس اسلامی تخیل سے تحریک پا کر مسلمانوں نے جو کام کئے وہ کس قدر اہمیت رکھتے تھے:-

"اگرچہ مغربی ترقی کا کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تہذیب کے گہرے اثر کا سراغ نہ لگایا جا سکے لیکن کسی اور جگہ یہ اتنا واضح اور نمایاں نہیں جتنا کہ اس قوت کی پیدائش میں نمایاں ہے جو دنیائے جدید کی ایک مستقل اور ممتاز قوت اور اس کی فتحمندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یعنی علوم طبیعی اور روح تحقیق۔" (ص ۱۹۰)

"ہمارے سائنس پر عربوں کے سائنس کا احسان بس اتنا ہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہم کو چند انقلاب انگیز نظریات دیئے ہوں حقیقت میں سائنس پر عربی تہذیب کا اس سے زیادہ احسان ہے۔ وہ خود اپنے وجود کے لئے اس کا احسان مند ہے۔ یونانیوں کا علم ہیئت اور علم ریاضی ایک باہر سے آئی ہوئی چیز تھی جو یونانی تہذیب میں گھل مل نہ سکی۔ یونانیوں نے تدوین، قیاس آرائی، نظریہ سازی ضرور کی لیکن صبر وسکون کے ساتھ لگاتار تحقیق وجستجو کرنا، ثبوتی علم کے اجزاء کو سمیٹنا، دقیقہ رس مناہج اختیار کرنا، تفصیلی طریق پر بہم مشاہدات اور تجربی تحقیقات کرنا، یونانی مزاج سے مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ یونانی اثر کے دائرہ میں صرف اسکندریہ ہی ایسا مقام تھا جہاں دنیائے قدیم میں علمی تحقیقات کی طرف قدم اٹھایا گیا تھا۔ لیکن جس چیز کو ہم سائنس کہتے ہیں وہ یورپ میں تحقیق کی نئی روح اور تجربہ و مشاہدات اور پیمائش کے نئے طریقوں اور علم ریاضی کی ایسی ترقی سے پیدا ہوئی جس سے

یونانی نا آشنا تھے۔ اس روح اور ان طریقوں سے عربوں نے مغربی دنیا کو روشناس کرایا۔" (ص ۱۹۰)

علمی کام کے مختلف میدانوں میں مسلمان کے ذہن نے جو کچھ کیا ہے اس کا مرقع اس سے زیادہ بڑے پیمانے پر کھینچا جا سکتا ہے اور اسلامی تاریخ کی مدد سے اس مرقع میں تمام جزئیات جمع کی جا سکتی ہیں مگر یہ سب اسی بنیادی اندازِ فکر کی طرف اشارہ کریں گی جو قرآنی تعلیم کے اثر سے ابھرا اور بڑھا۔ وہ اثر کیا تھا؟ یہی کہ زندگی ترقی کی ایک سعی پیہم ہے اور اس کی ضروریات کا ایک لازمی جزیہ ہے کہ انسان کے گرد و پیش جو فطری قوتیں کام کر رہی ہیں ان کے تعامل سے وہ موافقت پیدا کرے اور اس تعامل کا زیادہ سے زیادہ صحیح علم حاصل کر کے قوائے فطرت کو زندگی کے اس اولین مقصد کا خادم بنا دے جو عبارت ہے نوع انسانی میں وحدت اور جمعیت کی افزائش سے۔

جدید تمدن سے کوئی تصادم نہیں

جب اصل حقیقت یہ ہے تو میں کہونگا کہ ساری قیل و قال جو اسلامی تہذیب کے متعلق کی جا رہی ہے اور یہ جو کہا جا رہا ہے کہ جدید سائنٹفک دور کی ترقی کے سامنے اسلامی تہذیب اور اسلامی فکر اپنی خصوصیات کو محفوظ نہ رکھ سکیگی یا سعی و عمل کے راستہ سے دور پھینک دی جائیگی، محض بے معنی ہے۔ میں بشارت بھی دوں کو یقین دلاتا ہوں کہ سائنس کے کارناموں سے مسلمان کے ذہن کو خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جو چیزیں ان کے نزدیک موجودہ سائنٹفک تہذیب کی اساس ہیں وہ درحقیقت اسلامی تہذیب کے پھیلاؤ اور اس کی بار آوری کی علامتیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس مقام سے لے کر جہاں مسلمانوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا اور اس مقام تک جہاں صدیوں کی غفلت اور فراموشی کا رہی کے بعد اب دوبارہ وہ اس سے روشناس ہو رہے ہیں ایک خلا اور وسیع خلا پڑ گیا ہے اس وقت مسلمان جس اختلاط میں مبتلا ہیں (جو نتیجہ ہے متعدد تاریخی اسباب کا اور یہاں ان اسباب پر بحث کرنے کا موقع نہیں ہے) اس نے ان کو احساسِ کمتری کا ہدف بنا دیا ہے۔ ان کا ذہن غیر اسلامی تہذیبوں کے اثرات کا شکار ہو گیا ہے اور اس قابل نظر نہیں آتا کہ مغرب کی

ترقی میں خود اپنی ابتدائی کوششوں کے نتائج دیکھ سکے۔ تاہم تعلیم اس حالت کو درست کردیگی۔ تمام اسلامی دنیا میں ایک بیداری پیدا ہوچکی ہے اور ان غیر اسلامی حجابوں کو چاک کرنیکی کوشش کی جارہی ہے جنھوں نے صدیوں سے مسلمانوں کو اپنے اصلی مقام کا مطالبہ کرنے سے روک رکھا ہے۔ ترکی نے قدم آگے بڑھایا ہے۔ سطحی نظر والوں کو جو روح اسلام سے آشنا نہیں ہیں ممکن ہے کہ یہ قدم غیر اسلامی نظر آئے مگر ہم جو اس روح کو جانتے ہیں ہمیں ان واقعات پر کوئی اضطراب نہیں جو وہاں پیش آرہے ہیں۔ ایران اپنی کھوئی ہوئی منزلت کو حاصل کر رہا ہے۔ ایک شخص یہ گمان کرسکتا ہے کہ وہ اسلام سے پہلے کی تہذیب کو زندہ کر رہا ہے مگر یہ حقیقت نہیں ہے۔ فی الواقع ان دونوں ممالک میں اسلامی روح حریت فکر و عمل کے لئے کوشاں ہے اور یہی چیز دوسرے ممالک میں بھی کم و بیش اسی طریقہ پر مقامی حالات و ضروریات کے لحاظ سے ذہن مسلم کی آزادی کے لئے کوشش کررہی ہے مثلاً مصر، طرابلس، مراکش، شام، عرب، فلسطین، عراق اور افغانستان جہاں کے مسلمانوں کو یہ فائدہ حاصل ہے کہ ان کے ممالک میں اجتماعی زندگی یکساں اور ہمرنگ ہے ہندوستان میں اگرچہ ہم ایک وسیع رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں اور ہم کو ایک غیر مسلم اکثریت کے درمیان زندگی بسر کرنی پڑتی ہے، پھر بھی ہم میں یہ شعور روز بروز پیدا ہوتا جارہا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ وہ دن دور نہیں جب کہ اسلام کا یہ عظیم الشان منطقہ جو بحر اٹلانٹک کے سواحل سے چل کر دو بڑی اقلیموں پر پھیلا ہوا ہے اور جس کی شاخیں جگہ جگہ دونوں طرف نکلی ہوئی ہیں حرکت کرنے والی صفوں میں اسی اسپرٹ کے ساتھ آن شامل ہوگا جس کو لوگ دور سائینس کی اسپرٹ کہتے ہیں۔ پس اسلامی تہذیب اس قسم کی تہذیب نہیں ہے جو کسی ایسی تہذیب سے متصادم ہوتی ہو جو سائینس کی اساس پر وجود میں آئے۔ یقیناً وہ اس سے پراگندگی نہیں، اس میں زندگی کی وہ قوت موجود ہے جس سے وہ اپنے آپ کو عالم وجود کے متغیر حالات کے ساتھ ہمرنگ ہم آہنگ بناسکتی ہے۔ اگر اس سے صحیح طور پر کام لیا جائے تو وہ اس ملک میں بھی زندگی کو پستیوں سے اٹھانے کے لئے ایک بیش بہا سرمایہ ثابت ہوگی۔

اسلامی تہذیب کی بنیاد کا یہ ایک جزو ہے۔ اب دوسرے جز کو لیجئے :

وحدت کی تہذیب یعنی شریعت

آپ کو یاد ہوگا کہ میں پہلے یہ بتا چکا ہوں کہ "حرکت فی الحیات" کا مقصود "وحدت فی الحیات" ہے اور یہ دونوں چیزیں مل جل کر ان تمام مساعی اور عملی سرگرمیوں کی اساس بن جاتی ہیں جو مسلمان اپنی زندگی میں کرتا ہے۔ درحقیقت "وحدت فی الحیات" کا قانون اسلام کا روحانی اور اخلاقی قانون ہے۔ ایک ایسا قانون جسے بربنیت اسلام کی اجتماعی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا ہے اور جس کو منضبط کرنے کے لئے "شریعت" کے نام سے ایک ضابطۂ عمل مدون کیا گیا ہے۔ میں زندگی کے اس روحانی قانون کی تشریح و توضیح کرنا چاہتا ہوں جو اس "شریعت" کی تہ میں کارفرما ہے یعنی قانون وحدت جس سے الگ ہو کر "حرکت فی الحیات" فساد اور تباہی کی موجب بن جاتی ہے۔ اسلامی تہذیب جو اپنے اندر یہ قانون رکھتی ہے سائنس کے ہر کارنامہ کا خیر مقدم کرنے پر تو آمادہ نظر آئے گی لیکن غور کے ساتھ وہ یہ دیکھے گی کہ آیا یہ کارنامے وحدت فی الحیات کے لئے کارآمد یا اس کی ترقی میں مددگار ہیں یا نہیں جہاں اس قسم کا افادہ نہ ہو وہاں اسلامی ذہن سائنس کے اس کارنامہ کو ایک جزو حیات کی حیثیت سے قبول کرنے پر مائل نہ ہوگا۔ اگر ہمارے ذہن کی اس خصوصیت کو وہ لوگ سمجھ جائیں جو دنیاوی معاملات میں ہم سے اشتراک عمل کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے روزمرہ کے تعلقات درست کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ وہ چیز جس میں ہم ردو قبول کی بنیاد پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ وہ زندگی کی تمام مساعی کا وہ اخلاقی سانچہ اور اخلاقی ڈھنگ ہے جو اسلام نے اپنے پیروؤں پر لازم کر دیا ہے۔ اگر لوگ پیٹ اور اس کے مطالبات کی بنیاد پر کوئی مسلک اختیار کریں گے اور یہ چاہیں گے کہ مسلمان زندگی کے اس اخلاقی پہلو سے بے پرواہ ہو کر اس مسلک کو قبول کریں تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ انھیں اس میں ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ اخلاقی اساس کیا ہے۔ میں اسلام کے بنیادی عقیدے یعنی توحید الٰہی کی تشریح میں آپ کا وقت نہیں لینا چاہتا۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے یہاں مجھے صرف اجتماعی و عمرانی معاملات میں اس عقیدے کے اثرات سے

سروکار ہے۔ ہمارے نزدیک توحید الٰہی اپنا اثر توحید انسانی میں ظاہر کرتی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں نوع انسانی ایسے افراد سے مرکب ہے جو مساوی روحانی مرتبہ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ ہر انسانی روح ایک ہی جوہر سے بنتی ہے یہ قرآن کی تعلیم ہے کسی شخص کی روح پیدائشی داغدار نہیں ہے اور نہ اس کو کسی ایسے گناہ کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے جو خود اس سے پہلے جنم میں یا اس کے کسی مورث بعید سے صادر ہوا ہو۔ وہ خود اپنے عمل کے سوا کسی چیز کا ذمہ دار نہیں یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے زندگی اور مدنیت کا اسلامی تصور شروع ہوتا ہے۔ خدا کی نظر میں ہم سب مساوی ہیں۔ یہاں مرد و زن میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے ہم سب مل کر ایک خاندان کو تشکیل دیتے ہیں جو خدا کا کنبہ "عیال اللہ" ہے جب قرآن آنحضرت پر نازل ہوا تو انسانی جماعت کا نظام دنیا کے ہر گوشہ میں خواہ وہ عرب ہو یا ہندوستان، ایران ہو یا سلطنت روما، نسبی امتیازات اور تقسیم طبقات کی بنیاد پر قائم تھا جب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) انسانیت کی مدد کے لئے آئے اور اپنا پیغام مساوات اور عقلی و اجتماعی آزادی کا پیغام سنایا تو ہر اس بُرھان کا قلع قمع ہو گیا جو اس بنیاد کی حامی تھی۔ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان برابری کا احساس مسلمان کے ذہن میں گہرا جما ہوا ہے، اور میں ہر لحاظ سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ احساس نہ عربی الاصل ہے، نہ ایرانی میں آپ کہیں اس کی جڑ کا پتہ لگا سکتے ہیں، اور ہندوستان کی پیداوار تو یہ بہرحال نہیں ہے۔ آپ جہاں بھی مسلمانوں کو ملتے دیکھیں گے خواہ دن میں پانچ دفعہ مسجد میں یا سال میں ایک دفعہ کعبۃ اللہ میں، وہیں آپ کو مسلمانوں کی تہذیب نظر آجائے گی۔ یہ برابری کا احساس، یہ بلا لحاظ رنگ و نسل و مرتبہ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونا، یہ ایک مالک الکل آقا کے کائنات کے سامنے ایک مشترک عبادت میں ساتھ اٹھنا، ساتھ جھکنا، ساتھ بیٹھنا، یہ اظہار عبودیت کے لئے ایک ہی مشترک زبان استعمال کرنا، ایک ہی تمنا ظاہر کرنا، یہی احساس مساوات اور یہی اس کا ظہور مسلمانوں کی تہذیب ہے۔ یہ ہندوستان میں بھی اسی طرح مل جائے گی جس طرح دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں دو مسلمان ملیں۔

اسلامی زندگی میں تہذیبی منازل

مشین اور سائنس کے دور میں بھی ولادت سے موت تک ایک مسلمان کی زندگی کیا ہوتی ہے؟ وہ کونسے تہذیبی منازل ہیں جن سے اس کو گزرنا پڑتا ہے قطع نظر اس سے کہ وہ انفرادی طور پر ان کے اثرات کس طرح قبول کرتا ہے؟ یہ ایک راستہ ہے مسلمان کے تعاقب تک رسائی حاصل کرنے کا ایک یقینی ذریعہ ہے اس کی تہذیب کو سمجھنے کا۔

جونہی کہ ایک مسلمان کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے ایک آواز اس کے کانوں میں پہونچتی ہے۔ یہ اس کا اصطباغ ہے، اس کو پانی سے اصطباغ نہیں دیا جاتا بلکہ خود اس کی اپنی فطرت کی روح سے۔ یہ آواز بالعموم باپ یا کسی بزرگ خاندان کی ہوتی ہے۔ یہ اس کو ایک پیام پہونچاتی ہے جو اس کی اپنی فطرت کا پیام ہوتا ہے: "اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور سوائے اس کے کوئی لائق پرستش نہیں" جیسا کہ خود اس کا رسول فرماتا ہے، یہ آواز آزادی کا اور عظمت انسانی کا پیغام دیتی ہے۔ وہی آواز پھر کہتی ہے: "نیکی کے راستہ پر آؤ بہبودی کے راستہ پر آؤ"۔ یہ آواز تکرار کے ساتھ بچہ کے اس شن کی طرف اشارہ کرتی ہے جسے اس کو اپنی زندگی میں پورا کرنا ہے اور اس کو وہ راستہ دکھاتی ہے جس پر اسے بلند ترین نصب العین کے لئے اپنی تمام قوتوں کو وقف کر دینا چاہیئے۔ اس کے بعد یہ آواز انہی بولوں پر ختم ہو جاتی ہے جن سے وہ شروع ہوئی تھی "اللہ سب سے بڑا ہے اس کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں"

یہ چھوٹی سی سادہ رسم جو ایک نوزائیدہ بچے کے لئے ادا کی جاتی ہے، حالانکہ اس وقت وہ اپنے گرد و پیش کی کسی چیز سے آشنا نہیں ہوتا، یہ اسلامی تہذیب کی ایک زبردست معنی خیز نشانی ہے اور اس چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسے آگے چل کر آزادی اور "وحدت انسانی الحیات" کی تہذیب کا احترام کرنا اور اسی کی پیروی کرنا ہے۔ یہ مختصر سی پکار جو پیدا ہوتے ہی بچہ کو سنائی جاتی ہے بس اسی رسم کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی بلکہ زندگی بھر اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ صبح آنکھ کھلتے ہی اور رات کو آنکھ بند کرنے سے پہلے وہ یہی پکار سنتا ہے اور دن میں تین مرتبہ مکرر اس کے کانوں سے وہ آواز ٹکراتی

جو موذن اپنے منارہ سے بلند کرتا ہے۔ ہر بار یہ صدا اس کو وہی پیغام یاد دلاتی ہے جو پیدائش کے وقت اس کے سامعہ میں اتارا گیا تھا۔ یعنی فلاح اور عبودیت الٰہی کی دعوت کا پیغام۔ بر حقیقت اس تہذیب کی روحانی حیثیت ایسی ہے کہ جب میں یہ اس کی زندگی کا کام پورا ہو چکتا ہے اور اس کے اقارب اور احباب خدا حافظ کہنے کے لئے اس کے گرد جمع ہوتے ہیں تو وہی آواز پھر اس کے جسم پر سے گزرتی ہے اور یہ مجمع ایک صف میں دوش بدوش استادہ ہو کر اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔ موت کے بعد بھی یہ آواز پھر اسی ترقی، اسی فلاح، اسی عبودیت الٰہی، کی طرف بلاتی ہے۔ کیونکہ موت اسلام میں اس چیز کا نام ہے جو ایک دوسرے بلند تر عالم میں زندگی کے ایک نئے باب کا افتتاح ہے۔ پھر دیکھئے! مرنے کے بعد بھی وہ قبر میں جس انداز سے لیٹتا ہے وہ اس کی تہذیب کی شان ظاہر کرتا ہے۔ وہاں وہ لیٹتا ہے ساگوں میں لپٹا ہوا نہیں، مستحکم تابوت میں محفوظ نہیں، بلکہ مٹی، مٹی سے ہم آغوش ہوتی ہے۔ اتنی ہی محدود جگہ میں جو دنیا کے ہر مسلمان کو برابری کے ساتھ ملتی ہے۔ اور یہاں اس آخری منزل میں بھی اس کا منھ ایک ہی مشترک مرکز کی طرف پھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ہے مسلمان کی تہذیب۔ وہ ایک سادہ لباس میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ بس وہی دو چادریں جن کو وہ اس وقت بھی اوڑھتا تھا جب مکہ کے میدان عرفات میں اپنے رفقاء کے ساتھ حاضر ہوا تھا تاکہ سب ایک ایسے ہی سادہ لباس میں اسی ایک مشترک مرکز پر زندگی کے ایک ہی مشترک نصب العین کے لئے وفاداری کا اقرار کریں۔ یہ لباس اس کی تہذیب کا نشان ہے۔ ترکی ٹوپی نہیں، پاجامہ نہیں، کوئی اور چیز بھی نہیں جس کو وہ وقت اور حالت کے لحاظ سے حسب ضرورت پہن بھی سکتا ہے اور اتار بھی سکتا ہے۔

ایک مسلمان کی زندگی میں ولادت اور موت کے ان دو مرحلوں کے درمیان بہت سے مرحلے ہیں جن کی تشریح کے لئے میرے پاس کافی وقت نہیں مگر ان دونوں مرحلوں

کے درمیان اس کو جو کچھ کرنا ہے۔ اسے اجمال یا تفصیل کے ساتھ اس کی کتاب مقدس میں درج کر دیا گیا ہے اور اس کتاب کی ہدایات کسی نہ کسی صورت میں بچپن سے لیکر آخر عمر تک ہمیشہ اس کے سامنے رہتی ہیں۔ یہی ہدایات اور ان کی وہ عملی صورت جو رسول کی سیرت پیش کرتی ہے، مسلمان کی شریعت پر مشتمل ہیں۔ اس کی خصوصیات کو اجمالی طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اولاً وہ مسلمانوں کی عبادت کے ضوابط مقرر کرتی ہے، ثانیاً وہ ان فرائض کا تعین کرتی ہے جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے حق میں ادا کرنے پڑتے ہیں، چاہے وہ خاندان کے دائرے میں ہوں یا اس کے باہر اور اسی کے ساتھ وہ ان فرائض کی بھی تفصیل کرتی ہے جو مسلمانوں کو ان غیر مسلموں کے حق میں ادا کرنے پڑتے ہیں جو ان کے نظام حکومت کا جز ہوں۔ نیز ان سب کے حق میں سلطنت کے جو فرائض ہیں انہیں معین کر دیتی ہے۔ آخر میں وہ معاشی خود اکتفائی کا ایک لازمی نظام عمل مرتب کرتی ہے جس کی رو سے ہر وارث کو خواہ مرد ہو یا عورت وراثت میں منصفانہ حصہ مل جاتا ہے۔ اور غریبوں کو سہارا دینے کے لئے خصوصاً بیوہ، یتیم، ضعیف العمر اور کمزور کی پرورش کے لئے امیروں کی زائد دولت پر ایک خاص ٹیکس عائد ہوتا ہے۔ یہ خاص خاص امور ہیں جن کی طرف شریعت توجہ کرتی ہے۔ اگرچہ ان کے علاوہ بھی بہت سے مسائل ہیں مثلاً پاکیزگی جسم و اخلاق، اکل و شرب، لباس، عادات، معاشرت وغیرہ جن میں وہ رہنمائی کرتی ہے۔ ہدایات کے اس مجموعہ یا شریعت کا مقصد دراصل ایک ایسی مدنیت کو نمو دینا تھا جو اپنی کارگاہ عمل میں زندگی کی مادی اور روحانی قوتوں کی ہم آہنگی کا مظہر بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف اس نے ہر قسم کی مادی ترقی کے لئے سعی و عمل کی پوری آزادی دے دی اور دوسری طرف ایسے حدود مقرر کر دیئے جو اس سعی و عمل کو اتنا نہ بڑھنے دیں کہ وہ سوسائٹی کے کسی رکن کی اخلاقی یا مادی فلاح و بہبود پر دست برد کرنے لگے۔ اسی لئے وہ ان فرائض پر زور دیتی ہے جو دوسروں کے لئے انسان کو ادا کرنے چاہئیں اور کسی ایسے

حق کی تائید نہیں کرتی جس کا مطالبہ فرائض سے بے تعلق ہو کر کیا جائے۔ اس قانون کے بعض احکام کی تعبیروں میں اختلاف ہوا ہے اور اسی اختلاف نے مسلمانوں میں متعدد مذاہب (SCHOOLS) پیدا کئے لیکن اصول دین میں ان کے درمیان بہت ہی کم اختلاف ہے۔

یہ شریعت یا قانون اسلام ایک تہذیبی مظہر ہے ذہن اسلامی کا اور مسلمانان ہند کی زندگی میں اب بھی ایک زندہ قوت کی طرح کارفرما ہے جس طرح کہ وہ دوسرے اسلامی ممالک میں ہے۔ اس لئے کہ اس کا مقصد ہی مسلمان کے روزمرّہ افعال واعمال پر حکومت کرنا ہے تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جب تک نفس مسلم میں حرکت و وحدت کے اس قانون کی روح کارفرما رہی جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت تک یہ شریعت نئے حالات کے مطالبات کا جواب دیتی رہی اور تمدن کو ترقی دینے کے لئے مسلمانوں میں تازہ روح پھونکتی رہی۔ اس حرکت کی روح نے جس چیز کے ذریعہ سے اپنا کام کیا ہے اس کا نام اجتہاد ہے۔ بدقسمتی سے اجتہاد کی روح چند صدیوں سے ہم میں خوابیدہ پڑی ہوئی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی زندگی رفتار زمانہ سے الگ ہوگئی ہے۔ پستی اور اسلام فراموشی کی اُن صدیوں پر پلٹ کر دیکھنا اور اس کے اسباب پر واویلا مچانا بے سود ہے۔ "یہ شریعت اسلام" تقریباً ایک جامد صورت میں ہم تک پہونچی ہے اور وہ بھی ایسے وقت جب کہ ہماری اپنی کوئی مرکزی تنظیم موجود نہیں جس کے ذریعہ سے ہم اس ملک میں اپنی روزمرہ زندگی کو منضبط کرنے کے لئے وہ اختیارات استعمال کرسکیں جو ضابطہ شرعی ہم کو دیتا ہے۔ اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مسلمانوں کی تہذیب جس کی اصلی شان شریعت ہی کے نفاذ سے ظاہر ہوسکتی ہے، آج اس کے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں بلکہ اس کے وجود ہی سے انکار کیا جا رہا ہے۔ مگر میں پھر بھی یہ عرض کروں گا کہ اس موجودہ صورت میں بھی اس نے اپنی وہ خصوصیات کھوئی نہیں دی ہیں جو مسلمانوں کے ذہن میں ان کی قومی وحدت اور اس اخلاقی اساس کی یاد کو ہمیشہ

تازہ رکھیں گی جس پیمان کے نظام اجتماعی کی عمارت قائم ہے۔ ان کا طریقۂ عبادت جو ان کو ایک دوسرے سے جوڑنے والی سب سے بڑی قوت ہے آج بھی اسی شکل میں موجود ہے جس میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کو مقرر کیا تھا۔ مسجد کا رخ آج بھی اسی سمت پر ہے اور وہ پکار جو اس کے منارے سے بلند ہوتی ہے وہی پرانی زبردست پکار ہے جس نے کسی زمانہ میں مسلمانوں کے اندر حرکت کی عجیب روح پھونک دی تھی۔ جنسی تعلقات میں، زندگی کے روزمرہ معاملات میں، وہی اخلاقی معیار آج بھی مسلّم ہے خواہ افراد اس کی عملاً پابندی کریں یا نہ کریں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن زندہ ہے اور اب وہ اپنے ترجموں کے ذریعہ سے حرکت، وحدت، آزادی اور مساوات کا پیام ہر گھر میں پہونچا رہا ہے اس طرح وہ تمام خصوصیات جو اسلامی تہذیب کی مابہ الامتیاز

نہضت جدیدہ ہیں سب کی سب محفوظ ہیں۔ صرف ان کے مادی سہارے کو ساتھ لگانے کی ضرورت ہے۔ گزشتہ چند قرنوں کے واقعات نے ساری اسلامی دنیا میں اپنی مادی زندگی کی پستی کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ ہر جگہ کے مسلمانوں میں اور مسلمانان ہند میں بھی بیداری کی علامتیں اور قومی علامتیں پائی جا رہی ہیں۔ یہ وہی بیداری ہے جو بالعموم ان گری ہوئی قوموں میں پیدا ہوتی ہے جن کا ماضی شاندار رہا ہے۔ اب غیر مسلم قوموں کو کسی جگہ ایک انحطاط پذیر جماعت سے واسطہ نہ پڑے گا جیسی کہ ابتک مسلم جماعت رہی ہے بلکہ ایک ترقی پذیر نسل سے سابقہ پیش آئے گا جس میں یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے مذہب سے غفلت برتنے یا اس کا صحیح اتباع نہ کرنے ہی کی وجہ سے اس زدہ حالت کو پہونچی ہے۔ اب یہ نسل اپنے مرتبہ کی بازیابی کے لئے آگے بڑھے گی اور صرف اپنی گزشتہ تہذیب کا ورثہ ہی نہ طلب کرے گی بلکہ اس قوت حیات کو پھر سے تازہ کرے گی جو اس کے مذہب میں موجود ہے۔ یہ حیات نو کونسی شکل اختیار کرے گی؟ اس کا تعین اس آزادی عمل سے ہوگا جو ان لوگوں کو

حاصل ہو گی جہاں وہ برسر اقتدار ہوں گے یا جہاں اجتماعی ماحول خالص اسلامی ہوگا وہاں تو ان کا راستہ بالکل صاف ہے۔ وہ اٹھیں گے تو اپنے بل پر اور گریں گے تو اپنے بل پر۔ مگر جہاں مثلاً ہندوستان میں وہ ایک تکونی زندگی (TRIANGULAR LIFE) بسر کرنے پر مجبور ہیں وہاں ان کو بہ ایں تنزل سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ مختلف تہذیبوں کو مخلوط کرنے کا تخیل ایک خام خیال ہے۔ ہندوستان میں تہذیبوں کا وفاق (A FEDERATION OF CULTURES) ہی ایک دانشمندانہ حل ہے اور اسی منتہا کی طرف تمام کوششوں کو راجع کرنا چاہیئے۔ یہ ایسا وقت نہیں ہے کہ مسلمانوں کے لیڈر چھوٹی چھوٹی ہنگامی اور خود بخود مر جانے والی چیزوں پر اصرار کریں۔ ان کو اپنی تمام قوتیں ان اہم تر مسائل پر مرتکز کرنی چاہئیں جو ہندوستان میں ان کی تہذیب کے مستقبل سے تعلق رکھتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ شریعت کے اس پہلو کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے جس کے علمی اور معاشی اصولوں کو نہ سمجھنے اور ان سے غفلت کرنے کی بدولت ہی مسلمان اس حال کو پہونچے ہیں۔ اب ایسا بندوبست ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کی آئندہ نسل معاشی حیثیت سے خود اپنے پاؤں پر کھڑی ہو اور علمی اور سیاسی حیثیت سے اتنی محفوظ ہو کہ اس کو ناجائز طور پر استعمال نہ کیا جا سکے۔

اسلام کا معاشی نظام العمل ہندوستان میں "شریعت" کے معاشی نظام العمل کے معطل ہو جانے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ہماری تاریخ کے قریبی دور میں احکام اسلامی سے انحراف کی بہت زیادہ سہولتیں بہم پہونچ گئی تھیں لیکن اب کہ اس ملک کے ہر باشندے کے لئے حالات بہتری پر ہیں اور اہل ملک کو اپنی معاشی زندگی کی تنظیم جدید کے لئے اپنے معاملات خود اپنے ہاتھ میں لے لینے کا موقع مل رہا ہے مسلمانان ہند کے ہر بہی خواہ کو اولین فکر اس بات کی ہونی چاہیئے کہ کہیں یہ جماعت جو صدمات زمانہ کے باوجود زندگی کے ایک بڑے اجتماعی نصب العین کے لئے جی رہی ہے کسی خالص مذہب شکم پرستی کی شکار نہ ہو جائے۔ سب سے پہلے

حکومت کی مشین کے ذریعہ سے اس کے داخلی وسائل معیشت کو شریعت کے مقرر کردہ اخلاقی طریقوں پر از سرِ نو منظم کر کے اس کی بھوک کا انتظام کر دینا ضروری ہے۔ اگر آئندہ حکومت کو مسلمان اسی طرح اپنی حکومت کہنے کا حق رکھتا ہے جس طرح اس نظام سیاسی کے ہر دوسرے رکن کو حق ہے تو اس کو اپنا پرسنل لا خود اپنے اوپر نافذ کرنے کا موقع اور اقتدار حاصل ہونا چاہیئے۔ یہ سوال کہ اس نفاذ کی صورت اور اس کا انتظام کیا ہوگا اس کا تعلق تفصیلات سے ہے۔ باشندگان ملک کے غیر مسلم طبقوں کو اس تجویز میں "حکومت کے اندر حکومت" کا ہوا نظر آنے کی کوئی وجہ نہیں۔ حکومت کے واسطے سے مختلف طبقوں میں ان کے اپنے "پرسنل لا" کا نفاذ اس ملک میں کوئی نئی چیز نہیں۔ اور اگر اس کام کو بہتر طریقہ پر انجام دیا جائے تو اس میں کوئی نرالا پن نظر نہیں آسکتا۔ محض اپنے معاشی استقلال کی خاطر مملکت پر کوئی دباؤ ڈالے بغیر ایک ایسے سرکاری ادارہ کا مطالبہ کرنا مسلمانوں کا حق ہے جو مسلمانوں کے اوقاف کا انتظام کرے، زکوٰۃ اور دوسرے محاصل جو مسلمانوں کے فاضل مال پر شرعاً عائد ہوتے ہیں وصول اور تقسیم کرے اور وراثت و ازدواج کے قانون کو شریعت کی اصل روح کے مطابق نافذ کرے۔

روحانی زندگی اور اخلاقی معیارات

میں نے مسلمانوں کی معاشی ضروریات پر جو خاص توجہ مبذول کرائی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان ضروریات کی تکمیل ہی بذات خود کوئی مقصد ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ "شریعت اسلام" زندگی کے مادی پہلوؤں پر بھی اتنا ہی زور دیتی ہے تا کہ ہماری روزمرہ زندگی میں روحانیت اور مادیت کے درمیان ایک فطری اور خوش آئند ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ روحانی پہلو کے تحفظ کو عام طور پر ایک انفرادی یا شخصی چیز سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات ان جماعتوں کی حد تک صحیح ہو سکتی ہے جن میں روحانی ترقی کو اجتماعی سعی سے تعلق نہیں ہوتا۔ اسلام میں روحانی ترقی بلاشبہ زندگی کا ایک مقصد ہے جیسا کہ ہر مذہب میں ہوا کرتا ہے لیکن اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس انفرادی ترقی کو پوری امت کی روحانی ترقی پر اثر انداز کرنا چاہتا ہے جس سے مسلمانوں کے اتحاد و استحکام کی روح اور جملہ نوع انسانی کی وحدت کا جذبہ تحریک میں آئے۔ اسی بنا پر

مسلمانوں نے ہمیشہ اس امر کو اہمیت دی ہے کہ ان کو ایک آزاد ماحول میں اپنی روزانہ نماز باجماعت ادا کرنے کی ضروری آزادی حاصل رہے۔ یہ نماز باجماعت ہم میں ایک بڑی تہذیبی قوت ہے اور فطرۃً اس کو ہمارے تہذیبی تحفظات کے سب سے اہم امور میں شامل ہونا چاہیئے۔ اسی طرح شریعت کی رو سے ہماری تمدنی و معاشرتی زندگی میں اخلاق کا جو معیار ہے اس کا احترام ہر اس قانون میں ملحوظ رکھا جانا چاہیئے جو عام اہل ملک کی زندگی پر اثر ڈالنے والا ہو اور جس کے دائرہ میں مسلمان بھی آپ سے آپ آجاتے ہوں۔

تہذیبی انفرادیت یہ ہے ان تہذیبی تحفظات کی نوعیت جن کو مسلمان اس نئی سیاسی زندگی میں اپنے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کا ہندوستان میں اس وقت آغاز ہوتا نظر آتا ہے۔ ہمارے غیر مسلم ہموطنوں کے لئے یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو سمجھ لیں اور ان کا دلی اشتراک عمل حاصل کر کے آگے بڑھیں۔ یہ گمان کر لینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا کہ مسلمان اور ہندو اکثریت کی تہذیب میں بہت کم فرق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سی سطحی چیزیں دونوں میں مشترک ہیں لیکن وہ زیادہ تر مشترک آب و ہوا اور مشترک بازاری زندگی کی پیداوار ہیں۔ یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں جو گھر کی معاشرتی زندگی کو ایک ہی قسم کا مرکب بنا سکتی ہوں، ان کی رسائی روح تک نہیں ہے، وہ دماغوں کو زندگی کے کسی مشترک اخلاقی تصور کے رشتہ میں منسلک نہیں کر سکتیں نہ وہ مساوات کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ کسی مقدس تعلق کا مشترک احساس پیدا کر سکتی ہیں۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لئے میں دوسرے لوگوں کی تہذیب کا تجزیہ نہیں کرنا چاہتا۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں تہذیبوں کی نوعیت میں بنیادی اختلافات کا پایا جانا ایک بدقسمتی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مرورِ زمانہ سے کوئی اساسی ہم رنگی آگے چل کر پیدا ہو جائے۔ لیکن جب تک اختلاف باقی ہے کون یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلامی تہذیب کو تحفظ کی ضرورت نہیں ہے یا نہ ہونی چاہیئے۔ خصوصاً جب کہ یہ تہذیب زندگی کے ایک ایسے عالمگیر روحانی قانون

پر مبنی ہے جو نوع انسانی کی تفریق کے لئے نہیں بلکہ وحدت کے لئے سرگرم کار ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جمہوری ممالک میں بھی ایسی اعلیٰ تہذیبیں جو اقلیتوں کی زندگی کا مظہر تھیں کس طرح بزور شمشیر یا اکثریت کے استبدادی طرز عمل سے مٹ گئیں۔ ہندوستان کا مسلمان اس قسم کے امکان کو روکنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جہاں تک بھی اس کا بس چلے۔

یکساں ترقی

یہی وجہ ہے کہ مسلمان اس اقتدار میں حصہ لینا چاہتا ہے جو حکومت کی مشین کو قابو میں رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ ملک کی ثروت میں بھی کافی حصہ کا طالب ہے۔ وہ ترقی ہی کیا جو اسے ایک طرف اتنی قوت نہ بخشے کہ وہ خود اپنی اور ہر اس چیز کی جسے تہذیبی نقطۂ نظر سے وہ عزیز رکھتا ہے، زمانہ کے تلونات سے حفاظت کر سکے اور دوسری طرف اس کو ملک کی عام ترقی میں حصہ لینے کے ذرائع و وسائل مہیا نہ کرے۔ مسلمان اکثر صوبوں میں زمین کی ملکیت سے قریب قریب محروم ہیں۔ ملک کی صنعتی و تجارتی زندگی میں بھی ان کا بہت کم حصہ ہے۔ اس کے ساتھ وہ تعلیمی حیثیت سے بھی ابھی تک پس ماندہ ہیں اور ہمیشہ ساہوکار کے پھندے میں پھنسے رہتے ہیں۔ یہ رکاوٹیں اور کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے ترقی کی راہ میں ان کی رفتار سست ہے۔ اور ان کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے عوام کو پستی سے اٹھانے کے لئے معاشی اصلاح کا جو لائحہ عمل اس وقت پیش کیا گیا ہے وہ کوئی بہت بڑی چیز ہے اگر ملک کے تمام طبقوں کو ابھار کر ایک سطح پر لانا فی الواقع مقصود ہے تو مسلمانوں کے حال پر اس سے زیادہ توجہ کرنی پڑے گی۔ یہ اصلی محک امتحان ہے قومیت یا سیاسی حصہ داری کا اگر اس چیز کو پائیدار اور ترقی پذیر بنانا ہے۔ آپ قومیت کے خوش آئند ترانہ کو ایک ایسا طوفان بننے کی اجازت نہیں دے سکتے جو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کمزور پودوں کو جڑ سے اکھاڑتا چلا جائے۔ ہم کو دعا کرنی چاہئے اور امید رکھنی چاہئے کہ ہر جگہ عقل سلیم کا بول بالا ہو۔ اور مسائل وطنی کا ایک اچھا حل تلاش کیا جائے۔ کیونکہ میرے خیال میں اسی پر ہندوستان کے مستقبل

کی بہتری منحصر ہے۔ اگر ہمارے ہموطن مقتضیات وقت کے مطابق بن جائیں اور "فرقہ پرستی" کا شور مچانا کم کر دیں تو وہ دیکھ لیں گے کہ اخلاقی و روحانی استعداد کے لحاظ سے ہندوستان کا کوئی طبقہ اتنا تیار نہیں ہے جو ہندوستان کو دنیا میں عزت کے مقام پر پہونچانے کے لئے مسلمانوں سے بڑھ کر اقدام عمل کی ذمہ داری سنبھال سکے۔

اردو کا مسئلہ "شریعت" کے تہذیبی تحفظات کے علاوہ تہذیب کا ایک اور شعبہ بھی ہے جس میں ہندوستان کا مسلمان اپنے حصہ کو جدید تنظیم میں محفوظ کرانے کے لئے اتنا ہی بے چین ہے۔ وہ علم و ادب کا شعبہ ہے اور اس میں مسلمان چاہتا ہے کہ "اس زبان کے فطری نشو و نما میں کوئی رکاوٹ نہ ہو جس کو دوسروں کے ساتھ مل کر اس کی کوششوں نے اتنی ترقی دی ہے کہ وہ نہ صرف اس کی تہذیب کے اظہار کا ایک ذریعہ اور مسلمان کی وحدت کا ایک واسطہ بن گئی ہے، بلکہ ہندوستان کے دوسرے طبقوں سے بھی ایک زندہ رابطہ قایم رکھنے کا وسیلہ ہے یہ بذات خود ایک اہم مسئلہ ہے کیونکہ زبان جس میدان میں اپنی جولانی دکھاتی ہے اس کی سرحدیں تہذیب کے ہر دوسرے شعبہ سے ملی ہوئی ہیں اور اس بنا پر یہ ضرورت ہے کہ خصوصیت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کی جائے۔ ممکن ہے کسی اور موقع پر میں زیادہ تفصیل سے اس پر بحث کروں مگر اس موقع پر بھی میں اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ اس رجحان کے خلاف آواز بلند کروں جو خود میرے اپنے ادبی دوستوں میں بھی پیدا ہو گیا ہے کہ محض ارباب سیاست سے مصالحت کی خاطر اردو زبان کو ہندوستانی یا ہندی ہندوستانی کا مبہم سا نام دیا جائے میرے خیال میں یہ روش نہ عالمانہ ہے اور نہ بے لاگ۔ مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس زبان کو اس کے اصلی نام "اُردو" کے بجائے کسی دوسرے نام سے یاد کیا جائے۔ یہ وہ نام ہے جو خود اس کے ماں باپ نے رکھا ہے اور ہمیں اس کو بدلنے کا کوئی حق نہیں۔ وراثت کا ایک حقدار چاہے تو اپنے حق سے دستبردار ہو کر

اپنے الگ راستہ پر جا سکتا ہے مگر دوسرا حقدار کیوں اس کی پیروی کرے۔ بلا شبہ مسلمان اس بات پر رنج محسوس کرے گا کہ اس کے ہموطن دو عظیم الشان تہذیبوں کے باہمی رشتۂ اتحاد کو توڑنے کے لئے اس شرارت کے ساتھ کوشش کریں جیسی کہ وہ کر رہے ہیں اور اپنے لئے ایک الگ راستہ بنائیں جیسا کہ وہ بنا رہے ہیں ایسا طرز عمل اختیار کرنے کی فی الحقیقت کوئی ضرورت نہ تھی۔ اردو زبان جو ہندو اور مسلمان دونوں کی ذہانت کا مظہر ہے آج اتنی کافی قوت رکھتی ہے کہ دونوں فرقوں کے تہذیبی افکار اس میں سما سکتے ہیں۔ وہ ہر زبان کے لئے کافی شیریں ہے لیکن ہمارے دوست اس وقت سننے کی موڈ میں نہیں ہیں یا تو نہیں سمجھتے کہ نئی زبانیں اس طرح نہیں بنائی جاتیں اور زندگی کے فطری قوانین سیاسی نعروں سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ اس لئے مسلمان ان کے الگ ہو جانے سے پریشان نہیں ہے۔ بلکہ اس کی پریشانی ایک اور چیز پر مبنی ہے جو زیادہ اندیشناک ہے۔ اسے خوف ہے کہ یہ لوگ ایک مصنوعی زبان کو (جو اپنی ساخت اور معنویت کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے بالکل ایک غیر زبان ہے) پیدا کرنے اور تمام ملک پر مسلط کر دینے کے جوش میں اردو زبان کی مزید ترقی کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالیں گے دراصل یہی وہ خطرہ ہے جس سے اردو زبان کو محفوظ کرنے کی فکر اسے لاحق ہے۔ اس نے ان لوگوں کو محبت سے قائل کرنے کی کوشش کی کہ اردو زبان پہلے ہی سے ہندوستان کے لئے ایک مشترک زبان کا کام دے رہی ہے اب اسی غرض کے لئے ایک نئی زبان پیدا کرنا تاکہ وہ اردو کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لے یہ نیا اقدام پرلے درجہ کی فرقہ پرستی اور ہندوستان میں قومیت کے مفاد کے ساتھ کھلی دشمنی ہے مگر اس کا جواب یہ ملتا ہے ـــــــــــ میں پنڈت جواہر لال نہرو کا قول نقل کر رہا ہوں کہ :-

"اکثریت کی فرقہ پرستی بہ نسبت اقلیت کی فرقہ پرستی کے قوم پرستی سے قریب تر ہے"

اس قسم کا ہے وہ تحت الشعور جو ہماری پبلک زندگی میں قوم پروری کے نام سے کارفرما ہے۔ اس کے بعد واقعہ یہ ہے کہ بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی لیکن میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ مسلمان کو اس بات پر متردد نہیں ہونا چاہیئے کہ دوسرے لوگ ایک مصنوعی زبان کو اس ملک میں رائج کرنے کے لئے کیا کر رہے ہیں ہر مصنوعی زبان کی طرح اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو اس کے پیشروؤں کا ہوا۔ البتہ خود اس کو چاہیئے کہ اردو کو ان بہترین چیزوں سے مالا مال کرتا رہے جو اس کا ذہن مہیا کر سکتا ہے تاکہ وہ اپنے فطری راستہ پر ترقی کرے۔ اس کے ساتھ دوسروں کے لئے دروازہ بھی کھلا رکھنا چاہیئے کیونکہ صرف یہی ایک زبان ہے جو ایک دن سارے ہندوستان کو متحد کر کے رہے گی۔ اس کی جگہ لینے والی کوئی اور زبان نہیں پس مسلمان کو چاہیے کہ دروازہ کھلا رکھے اور مکان کو آرام دہ بنائے۔ مجھے یقین ہے کہ آوارا بھائی ایک دن بھٹک بھٹکا کر پھر پلٹ آئے گا اور اپنا حصہ طلب کرے گا۔ مگر مسلمان کو اس کے طریقے کی پیروی نہ کرنی چاہیئے کہ خود رجعت پسند بن جائے۔ اور حقیقت یہ ہے جیسا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ مسلمان اس وقت اگر رجعت پسند بننا بھی چاہیں تو نہیں بن سکتے۔ ان کی بڑی اکثریت کوئی دوسری زبان نہیں جانتی۔ کئی پشتوں سے وہ صرف اسی زبان کے ذریعہ اپنے علمی کام جیسے کچھ بھی وہ ہیں چلا رہے ہیں۔ اب یہ انکی مادری زبان بن گئی ہے اور اسی وجہ سے ان کو عزیز ہے۔ اس میں ایسی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے کہ ایک طرف ان اسلامی افکار عالیہ کو جو ماضی سے ہم تک پہونچے ہیں اپنی آغوش میں سنبھال سکتی ہے اور دوسری طرف ان خیالات کی بھی پرورش کرنے پر آمادہ ہے جو ہماری نشأۃ ثانیہ کے دور میں، جو سامنے نظر آرہا ہے، ہمارے ذہن کی دنیا پر حکومت کریں گے جس حد تک مسلمانوں نے اس زبان کے قالب میں اپنی روح پھونکی ہے، اور جس حد تک انھوں نے اس میں اپنی قوت حیات منتقل کی ہے اسی حد تک وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے کہ یہ زبان ان کی تہذیب کا بھی ایک مظہر ہے اور ان کی

یہ خواہش ہوگی کہ نہ صرف اس کے مفاد کی حفاظت کریں بلکہ اس کو ایک ایسا سہارا بنا دیں جس پر اہل وطن کے ساتھ ان کے باہمی ربط اور حسن تفاہم کی بنا ر قایم ہو سکے اور یہی چیز ہے جس پر ہندوستان کی دائمی فلاح منحصر ہے۔

خاتمۂ کلام دوستو! مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ جس دلچسپی اور صبر سے آپ نے میری تقریر سنی ہے، میں اس کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ میرے لئے باعث مسرت ہوگا۔ اگر اسلامی تہذیب کے اس تجزیہ میں مجھے کم از کم اتنی بات ہی آپ کے ذہن نشین کرنے میں کامیابی ہوئی ہو کہ مسلمانوں کی یہ تہذیب محض درزی کی دکان یا ڈرائنگ روم یا میوزک ہال کی تہذیب نہیں ہے۔ اور نہ یہ ایسی تہذیب ہے جس کے اجزا خود آپس میں متزاحم ہوں بلکہ یہ حرکت و وحدت فی الحیات کی تہذیب ہے۔ اور اب بھی ہم میں پوری قوت کے ساتھ کار فرما ہے۔ جب اس کی اصولی نوعیت یہ ہے تو کیا یہ کبھی کسی صحیح قومیت یا بین الاقوامیت یا کسی ایسے نصب العین کی مخالف ہو سکتی ہے جو انسان کے شایان شان ہو؟

سید عبد اللطیف۔

اسلامی تہذیب

ڈاکٹر سید عبداللطیف کی تقریر پر نواب سر نظامت جنگ بہادر کا تبصرہ

نواب سر نظامت جنگ بہادر نے صدارتی تقریر میں تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

مسز نائیڈو، مولانا شوکت علی اور حضرات!

میرے خیال میں آپ مجھ سے اس امر میں اتفاق کریں گے کہ ڈاکٹر لطیف کا مقالہ ہماری توقعات کو پورا کرتا ہے اس میں جس مضمون کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے وہ ان لوگوں کو سمجھانا آسان نہیں جو لاابالی ہیں یا سیاسی چیستانوں کے ایسے رسیا نہیں ہیں کہ صاف صاف باتوں پر کان ہی نہیں دھرتے۔ مگر میں اس مقالہ کے سلیس اسلوب بیان سے بہت متاثر ہوں جس میں ڈاکٹر صاحب نے تہذیب کے حقیقی مفہوم اور نوعیت کو اذعان اور حسن بیان کے ساتھ پیش کیا ہے اس قسم کی تشریح و توجیہ ضروری تھی کیونکہ آج کل سیاسی ہیجان کی وجہ سے لوگ بہک گئے ہیں اور ہر طرف معلوم ہوتا ہے کہ سوچنے اور سمجھنے میں کچھ احتیاط نہیں کرتے بلکہ نمائشی فقروں اور ظاہری اصولوں کو اس طرح رواج دیا جا رہا ہے گویا یہ تمام امراض کی دوا ہیں۔ بدقسمتی سے لفظ تہذیب کو بھی وہ اپنے خیالات کی سطح پر کھینچ لائے ہیں لہٰذا ہم شکر کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی اس کوشش کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ کون شخص آپ کے اس بیان کی تردید کرنے کی جسارت کرے گا کہ یہ ایک وسیع تہذیب ہے۔ اور اس تہذیب کا ڈھانچہ اپنے پورے خط و خال کے ساتھ مسلم اقوام کی زندگی میں دائمی طور پر جاگزیں ہے اور ہم میں سے کون شخص آپ کے اس بیان سے دلی اتفاق نہ کرے گا کہ اس تہذیب کے وجود میں شک کرنا نرم الفاظ میں عقلی غرور ظاہر کرنا ہے۔ مجھ کو حقیقی مسرت ہوتی ہے کہ اشتعال پا کر بھی آپ اپنے خاموش و متین طریقہ کو ترک کر کے کبھی غیظ و غضب [illegible] نہیں ہوتے جبکہ آپ کو ایسی زبان درازی کا جواب دینا پڑتا ہے جو تہذیب کے نام سے پیش ہوتی ہے یا جس وقت آپ [illegible] [illegible]۔

اس خصوص میں آپ کا طرز عمل حقیقی معنوں میں اسلامی ہے کیونکہ اسلام حسن اخلاق پر زور دیتا ہے۔ آپ کی

تہذیب و شائستگی کی پیداوار ہیں جس کی تشریح و توجیہہ کی غرض آپ نے اپنے ذہن کی ایسی قوت جس میں انسانیت کی آمیزش ہو اور جو لطف و کرم کے تابع ہو اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ آپ نے اس کو فراموش نہیں کیا۔ قرآن ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ سخت الفاظ اور غیر شائستہ زبان استعمال نہ کی جائے اور دوسروں کے مذہب کو نکتہ چینی نہ کی جائے بلکہ ایسے لوگوں سے گفتگو کرتے وقت جو ہمارے ہم خیال نہیں ہیں حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیئے۔ ان نصائح کی روح جو اسلامی تہذیب میں جاری و ساری ہے آپ کے دل میں بھی کارفرما ہے یہ چیز آپ کے اس لہجہ سے نمایاں ہے جو آپ نے اس تقریر میں نمایاں کیا ہے۔

اس تقریر کی ایک اور خصوصیت ہے جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس زمانہ میں جبکہ بغیر سمجھے بوجھے اجنبی طرز زندگی اور اداروں کی نقالی کی جا رہی ہے" ڈاکٹر عبداللطیف ایک بصیرت کے حامل ہیں اور آپ میں یہ کہنے کی مخلصانہ جرأت ہے کہ محض سائنس کی آفریدہ چیزوں سے ایک عالمگیر اور ہم آہنگ تہذیب کو نمو نہیں دیا جا سکتا۔ یہ چیزیں آپ کی روح میں جاگزیں نہیں ہو سکتی۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس سے روح کو مطمئن کرنا پڑتا ہے اور محض مشین سے اس کو تشفی حاصل نہیں ہو سکتی۔ روح اخلاقی نصب العین کی متقاضی ہوتی ہے۔

اگر تہذیب سے مراد کسی قوم کی روحانی قوتوں کی کامل نشو و نما ہے تو یقیناً وہ چیزیں باہر سے اتفاقی طور پر یا بالارادہ اداروں یا حکومت کی صورت میں عاید ہو جاتی ہیں؛ ان لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتیں جو روح جیسی کسی چیز کے حامل ہوتے ہیں۔

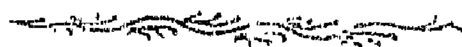
ڈاکٹر صاحب نے اسلامی تہذیب اور اس کے ممتاز خط و خال کی تشریح کرتے ہوئے اس امر کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ یہ ایک جدید و نو آفریدہ تحریک ہے جس کا اندر سے آغاز ہوا۔ اور اپنے مناسب حال بیرونی مساعی سے اس نے ترقی کی اور دنیا کی تاریخ میں ایک یادگار واقعہ بن گئی یعنی دنیائے ماضی کی وسیع مگر شکستگی پذیر بنیادوں پر اس تحریک نے ایک عالیشان اور بالکل نئی دنیا تعمیر کی جس نے اہل نظر کو محو حیرت کر دیا۔ کیا یہ کارنامہ یونان و روما کے کارناموں سے بڑھ چڑھ کر نہیں ہے؟ پھر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی آفریدہ نئی دنیا تیرہ صدی سے برابر چل رہی ہے اور کبھی ضعف و انحطاط کے آثار اس میں پیدا ہوتے بھی ہیں تو پھر یکبارگی کمال سرعت کے ساتھ اپنی طبعی قوت دوبارہ حاصل کر لیتی ہے۔ کیا خود ہمارے

زمانے میں بعض اسلامی ممالک کی تاریخ اس اہم حقیقت کی دلیل نہیں ہے؟ اگرچہ سطحی نظر سے یہ دکھائی دیتا ہے کہ مغرب سے کچھ یا بہت کچھ مستعار لیا جا رہا ہے لیکن صحیح تحقیق و تدقیق سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ کوئی باطنی قوت کوئی زندہ اعتقاد ہے جو اسلامی ممالک میں نئی کی نئی روح پھونک رہا ہے۔ یہ اسلامی شعور کے سوا جو کہ ایک زبردست روحانی قوت ہے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اشیاء پر اس طرح نظر ڈالنے کے بعد ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ وہ تہذیب جس کی نوعیت پر ڈاکٹر صاحب نے قابلیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے ایک ایسی قوت ہے جس کو ہندوستان یا کسی اور جگہ سیاسی تعلقات کے مسائل پر بحث کرتے وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ ایسا سنجیدہ اور غیر جانبدارانہ مشورہ جو ڈاکٹر صاحب نے دیا ہے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

وحدت اور حرکت کی یہ تہذیب جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے اس کی تعریف کی ہے ہمیشہ سے فطرت انسانی کے شریفانہ میلانات کی حلیف رہی ہے۔ مغرب کے باخبر دماغوں نے کہا ہے کہ اسلام نہ صرف ایک مذہب ہے بلکہ ایک تمدن بھی۔ اور بعضوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عربوں کو ان حیرت انگیز کارناموں کی بنا پر جو منسوب ہیں انھوں نے انجام دئے ہیں مغربی قوم کہا جا سکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی قوم عالمی قوم ہے۔ وہ اپنے ماحول سے ہر کہیں مطابقت پیدا کر سکتی ہے وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن و ہم آہنگی سے زندگی بسر کر سکتی ہے۔

اسلامی زندگی اور اسلامی تہذیب کا بنیادی اصول عمل صالح ہے اور کچھ نہیں۔ اور اس سے زندگی ہر ایک کے لئے خوشگوار بن جاتی ہے۔ اسلام روح انسانی کے اس فطری میلان کو جو نیکو کاری کی طرف ہے تسلیم کرتا ہے (اندھیرے سے روشنی کی طرف جانا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔) اس میلان کو اسلامی تہذیب سے تقویت پہنچتی ہے۔ مغرب نے اس چیز کو نظر انداز نہیں کیا ہے بعض مشہور مصنفین نے جرأت کے ساتھ کہا ہے کہ یورپ کی نجات اسلام میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ یورپ کو آج پیغمبر اسلام صلعم جیسے آدمی کی ضرورت ہے جو ان کے خیال میں بیسویں صدی کے پیغمبر ہیں۔ اگر تہذیب اسلام کمزور و بے سود ہے تو پھر یہ سب چیزیں کیوں کہی

بار ہو رہی ہیں؟ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے اور ایک ایسی تہذیب ہے جس میں
زندگی کے اعلیٰ ترین اصول کار فرما ہیں۔ مثلاً صداقت، اعتدال، رواداری اور افراد
انسانی کے مابین حقیقی مساوات اور دلی اخوت، عدل، وفاداری اور رحمدلی، کمزور اور بے
بسوں کی حفاظت، عورتوں اور یتیموں کے حقوق کا لحاظ، قیدیوں اور غلاموں کی آزادی
دولت کی مساوی تقسیم معاہدات کی پابندی خواہ دشمنوں ہی سے کیوں نہ کئے گئے ہوں، دنیا
بخوبی واقف ہے کہ اسلام ان اصولوں کو کس طرح روبہ عمل لایا۔ اور ان کو محض بے جان نظریات
کی طرح نہیں رکھ چھوڑا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اسلام ایک پیام امن ہے جیسا کہ خود اس
کے نام سے ظاہر ہے وہ قرآن کے اس حکم کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے کہ "زمین پر فساد مت
پیدا کرو"۔ مسلمانوں کی یہ صلاحیت کہ وہ اپنے ماحول سے اپنی اسلامی نوعیت کو مضرت پہونچائے
بغیر مطابقت پیدا کر لیتے ہیں، قرآنی تہذیب کی فتحمندی ہے۔ میرے خیال میں ڈاکٹر لطیف کی
اس بہترین تحریر کے متعلق میں کافی طور پر آپ سب کی طرف سے تحسین کا اظہار کر چکا ہوں اور
آپ کے دل نشین کرتا ہوں کہ ان مخصوص حالات میں جن میں ہم آج ہندوستان میں گھرے
ہوئے ہیں یہ کس قدر کارآمد مقالہ ہو سکتا ہے۔ میری پر خلوص دعا ہے کہ سارے ملک میں
مفاہمت پیدا کرنے میں یہ مدد و معاون ہو۔ میں آپ سب کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی اس
بیش بہا خدمت کا شکریہ ادا کرنے میں بڑی مسرت محسوس کرتا ہوں جو آپ نے صداقت
کے راستہ میں انجام دی ہے۔"



خطبۂ صدارت

مولانا محمد عبد القدیر صدیقی حیدرآبادی شیخ الشیوخ و ناظم مدرسۂ عالیہ نظامیہ حیدرآباد و سابق صدر شعبۂ دینیات کلیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ صَحۡبِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ ؏

اے معزز زمرۂ علماء عظام و محترم طبقہ مشائخ کرام و شیوخ و طلبہ مدرسۂ عالیہ نظامیہ حیدرآباد۔

ہر چند کہ ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب کی تعریف یا تعارف کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ آپ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ میں پروفیسر انگریزی ہونے کی وجہ سے حیدرآباد میں مشہور و معروف ہیں۔ اور آپ اپنے عمدہ مضامین اور اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے ہندوستان میں بھی کافی شہرت رکھتے ہیں۔ نیز سفر انگلستان و یورپ و امریکہ کی وجہ سے بیرون ہند بھی آپ کی غیر معمولی لیاقت سے بے خبر نہیں۔

میں ان کے تعارف میں اس وقت صرف اس قدر اور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر لطیف صاحب عالم پور اور کرنول کے محترم مشائخ خاندان کی روح رواں ہیں۔ اور حضرت سید اللطیف یا ہو بابا ثانی قدس سرہٗ کے چشم و چراغ ہیں۔ ان میں اعلیٰ قابلیت کے ساتھ سادات کا پاک خون بھی ہے۔

میری ڈاکٹر صاحب کے والد مرحوم سے اور خود ان سے ایک طویل زمانے سے محبت ہے صداقت ہے۔ مجھے باہمی مدت مدید کے تبادلۂ خیالات سے ثابت ہوا کہ اس سید زادے کے حصے میں قلب سلیم و رائے مستقیم آئے ہیں۔

ہندوستان و یورپ و امریکہ کے سفروں میں مختلف تہذیبوں کے مطالعہ اور ہندوستان کے

پُر از انتشار حالات کے مشاہدے نے انہیں آمادہ کیا کہ اسلامی تہذیب یا کلچر کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کریں۔

میں ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کے خطبے یا لیکچر کے ساتھ اپنا بھی ایک لیکچر سنانا نہیں چاہتا بلکہ اس وقت میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان کی تائید میں میں بھی چند فقرے کہہ دوں۔

محترم حضرات۔ اخوانی! اس وقت تمام ہندوستان بڑی سخت کشمکش کی حالت میں ہے بڑا گروہ چاہتا ہے کہ چھوٹے گروہوں کو اپنے میں جذب کرلے۔ اُن کے نام و نشان تک کو باقی نہ رکھے۔ مسکین چھوٹے گروہ اپنی ہستی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

غریب مسلمانوں میں صحیح احساسات بھی کم ہیں مفلس بھی ہیں۔ سلامتی سے تعلیم میں بھی کم ہیں۔ اب تو ان کی معروف ہمت و شجاعت بھی از دست رفتہ ہو رہی ہے۔

عامۃ الناس کو ایک طرف چھوڑیئے خود علماء دین مبین و پیشوایان ملت متین کو دیکھیے کہ ان کا کیا حال ہو رہا ہے۔ بعض تو وطن پرستی میں ایسے مستغرق ہو گئے ہیں کہ ان کو اسلامی خصوصیات کی بھی پروا نہیں۔ اپنے منہ سے اسلام کا لفظ نکالنے کو شرماتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے احتیاط کرتے ہیں۔ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ (اور اس کو بیچ دیا چند کھوٹے داموں کے عوض)

بعض دوسرے علماء کچھ ایسے خواب خرگوش میں پڑے سو رہے ہیں کہ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ۔ (تم اُن کو جاگتا سمجھتے ہو وہ سو رہے ہیں) دنیا و مافیہا میں کیا ہو رہا ہے اس سے بالکل بے خبر خواب نوشیں و امداد رحیل۔

اٹھو اٹھو یہ خواب غفلت کب تک   دیکھو دیکھو اجل کمین گاہ میں ہے

میرے پاس مذہب بھی اہم ہے اور وطن بھی۔ انسان مدنی بالطبع ہے۔ بغیر تعاون کے زندگی دشوار ہے۔ تمام اقوام سے تعاون کرو۔ خود دنیوی ترقی کرو۔ دوسروں کو مدد دو بلکہ رہنمائی کرو مگر مسلمان رہ کر۔ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ (اسلام میں جوگی و راہب ہونا نہیں ہے) دین بیچ کر دنیا حاصل بھی کی تو کیا کی وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل نہ کرو۔ مجھ سے ڈرو۔ حق کو باطل سے نہ ملاؤ۔ جانتے بوجھتے حق پوشی نہ کرو)

حضرات! اہلِ اسلام کے پاس اسلام و اسلامی تہذیب و معاشرت دونوں ایک ہیں۔ اسلام اصل ہے اور تہذیب اسلامی اس کا مظہر ہے۔ مظہر ہی سے اصل شئے کے وجود کا علم ہوتا ہے۔ بغیر مظہر کے اصل شئے ناقابلِ تسلیم ہوتی ہے۔ کسی کی خاطر تہذیب اسلامی کے چھوڑنے کے معنی اسلام کو چھوڑنے کے ہیں۔ اگر کوئی شخص مذہب اسلام رکھنے ہی کو فرقہ بندی سمجھتا ہو تو لاکھ بار سمجھے۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

موت و حیات میری دونوں ہیں تیری خاطر
جینا تری گلی ہیں، مرنا تری گلی ہیں

ہم بہ آواز دہل کہتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور آخری دم تک مسلمان ہی رہیں گے حَسْبِیَ اللّٰہُ وَکَفٰی۔ اللہ بس باقی ہوس۔ میں اسلامی کلچر کے وجود سے انکار کرنے والوں سے پوچھتا ہوں۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے۔ بیواؤں کو زندہ جلا دینے کو کس نے ممنوع ٹھہرایا؟ اسلام نے۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ۔ (اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو۔ ہم تم کو رزق دینگے اور اُن کو بھی) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (ایسے نفس کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے با حرمت کیا ہے مگر حق پر) کوئی بتلادے کہ ترک شراب خواری و قمار بازی و زناکاری کی تحریک کا منبع کہاں ہے؟ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ اور وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِیْلًا ط (شراب اور جوا اور پانسے ڈالنا ناپاکی ہے۔ شیطانی کاموں میں سے ہے۔ اور زنا کے پاس تک نہ پھٹکو)۔ ذرا کوئی کہدے۔ طلاق کو نشوز زن و شوہر کے وقت جائز سمجھنا کس کا طریقہ ہے؟ مسلمانوں کا۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ ط (طلاق دو دفعہ ہے پھر یا تو دستور کے موافق رکھنا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑنا ہے) اسلام کے سوا کہاں تھا سوہ کا نکاح ثانی۔ تم کس سے سیکھ کر اس کو جائز سمجھ رہے ہو۔ عورتوں کو

عام حقوق دینا۔ خلع کا حق دینا۔ ان کو صاحبِ مِلک تسلیم کرنا کہاں سے نکلا؟ تہذیب
اسلامی سے۔ اونچ نیچ ذات۔ چھوت چھات کا اٹھا دینا۔ کمیونیزم۔ سوشیل ازم کا
منبع کیا ہے؟ اسلام ہی تو ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ حریت و مساوات کا علمبردار اسلام
ہے۔ مگر اسلام میں ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا نہیں ہے بلکہ اشتراک مع الامتیاز ہے
کوئی اسلامی تہذیب کو دیکھے کہ اس میں بحالِ جنگ بھی بچوں کو عورتوں کو۔ خانقاہ نشینوں کو
قتل کرنا ممنوع ہے۔ دشمنوں کے جانوروں کو ضائع کر دینا۔ درختوں کو کاٹ ڈالنا جائز
نہیں۔ کھٹمل۔ مچھر۔ پسو۔ سانپ۔ بچھو تک کو آگ میں ڈالنا جائز نہیں مگر تہذیب حاضر میں
طیاروں کی شل باری سے غیر فوجی مرد۔ عورتیں۔ بچے۔ بوڑھے۔ راہب سب جل بھن کر
خاک سیاہ ہو رہے ہیں۔ مجلس اقوام میں کوئی ٹس سے مس تک نہیں کرتا۔ بلکہ جس میں زیادہ
تباہ کرنیکی قوت ہے وہی سب سے زیادہ مہذب سمجھا جاتا ہے۔ اس کا ہر فعل جائز ہے۔ ہر قول حق ہے۔
ابھی آپ نے اسلامی تہذیب کا کافی مطالعہ ہی کب کیا ہے۔ دس میں باتیں ہو تو کہی جائیں۔
یاد رکھو ایک نہ ایک دن ان ایک ا۔ ایک دن سب کو ایک کر کے چھوڑیگا۔ اور کوس لمن الملک الیوم
للہ الواحد القہار۔ (آج کس کی بادشاہی ہے۔ ایک قہار خدا کی) بجائیگا۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدایا جس دین کو تو نے جاری کیا ہے اس کی حفاظت
بھی کر۔ جس تہذیب کو تو نے پھیلایا ہے اس کی رکاوٹیں بھی دور کر۔ جس چراغ کو تو نے
روشن کیا ہے اوس کو خاموش نہ ہونے دے۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (وہ اللہ کے نور کو
بجھانا چاہتے ہیں مگر اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہیگا چاہے کافر ناپسند ہی کیوں نہ کریں)

۵۳۹۴

(مطبوعہ عہد آفریں برقی پریس حیدرآباد)